جلد ۶۹ ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۵۳ء عدد ۱

مضامین

مقالات

باب التقریظ والانتقاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

اردو کنونشن لکھنؤ مین اگرچہ اردو کے حامیون کا پورا اجتماع نہ ہو سکا، لیکن اپنے مقصد و منشا کے لحاظ سے وہ بڑی حد تک کامیاب رہا، اور بلا تفریق مذہب و ملت اردو کے تمام حامیون نے اس مین شرکت کی، اور اسکی تائید و حمایت مین پورا حصہ لیا، جس پر اُن کی تقریرین شاہد ہین، کنونشن کے محترم صدر ڈاکٹر ذاکر حسین خان مجلس استقبالیہ کے صدر پنڈت کشن پرشاد کول، انجمن ترقی اردو کے سکریٹری قاضی عبد الغفار صاحب اور دوسرے ممتاز شرکا نے اپنی تقریرون مین اردو کی اہمیت، اُس کے قانونی حق، اس کے ساتھ حکومت کے معاندانہ رویہ، اسکی حق تلفی اور مادری زبان مین ابتدائی تعلیم کے مسئلہ مین حکومت کی وعدہ خلافیون کی پوری تفصیل بیان کی، اور کنونشن کے اغراض و مقاصد، اُن کے حصول کے قانونی ذرائع، طریقۂ کار اور ان سے متعلق دوسرے اہم امور و مسائل پر روشنی ڈالی، یقین ہے کہ اس کنونشن کے بعد اردو کی مہم جو پہلے سے جاری تھی، اور زیادہ ضبط و نظام اور وسعت کے ساتھ انجام پائیگی،

اُردو کا مسئلہ درحقیقت سیاسی سے زیادہ قومی، لسانی اور تہذیبی اہمیت رکھتا ہے، اردو ہندو مسلم اتحاد، ہندوستان کے مشترک کلچر، اور متحدہ قومیت کی سب سے بڑی نشانی ہے، اور اس وصف مین ہندوستان کی کوئی زبان اُس کا مقابلہ نہین کر سکتی، اور سب زبانین مقامی اور صوبائی ہین، اور خاص خاص کلچرون کی نمایندگی کرتی ہین، اور اردو پورے ہندوستان کی ثانوی اور مشترک زبان ہے، اس مین اُس کے تمام فرقون اور طبقون کے کلچر کی روح جھلکتی ہے، دلّی، اتر پردیش اور بہار وغیرہ کے علاوہ جن کی اردو مادری زبان ہے، ان صوبون مین بھی جن کی وہ مادری زبان نہین ہے، کسی نہ کسی شکل مین رائج ہے، اور ان کے دیہاتون تک مین سمجھی جاتی ہے، اور

بڑے بڑے شہرون اور خاص خاص علاقون مین بولی بھی جاتی ہے، اور مختلف صوبون کے باشندون کے درمیان افہام و تفہیم کا ذریعہ بھی اردو ہے، اس کے علاوہ وہ ایک ترقی یافتہ اور مہذب زبان ہے، اپنا وسیع لٹریچر اور سنجیدہ علمی و ادبی ذخیرہ رکھتی ہے، اور ایک بلند اور شایستہ کلچر کی مالک ہے، اس لئے ایک ایسی ترقی یافتہ زبان کو مٹانا جو اتنی گوناگون خصوصیات کی حامل ہو، نہ صرف تعصب و تنگ نظری بلکہ علم و تمدن اور قوم و ملک کے ساتھ دشمنی ہے، اس سے متحدہ قومیت کو نقصان پہنچے گا، حکومت کا اعتبار اٹھ جائیگا، اور اسکے سیکولرزم کے دعوی کی تردید ہوگی، اس لئے اردو کا مسئلہ حکومت کے تدبر اور اسکے عدل و انصاف کا سب سے بڑا امتحان ہے، اگر حکومت اردو کو وہ درجہ نہین دے سکتی، جس کی وہ حقیقۃً مستحق ہے، تو اس کو اس حق سے تو محروم نہ کرنا چاہئے جو ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی مقامی زبانون کو حاصل ہے، جن کی اردو کے مقابلہ مین کوئی حیثیت نہین ہے،

اردو کی مخالفت کے اور اسباب مین سے ایک بڑا سبب ہندی کے انتہا پسند حامیون کا یہ وہم بھی ہے کہ اگر اردو کی شمع روشن رہی تو اس کے سامنے ہندی کا دیا نہ جل سکے گا، جو سراسر غلط ہے، ہندی کے سرکاری زبان بن جانے کے بعد اس کو تنگ نظری کے سوا اور کوئی چیز نقصان نہین پہنچا سکتی، جب اردو انگریزی کی ترقی کو جو بالکل اجنبی اور نامانوس زبان تھی، نہ روک سکی، تو ہندی کی راہ مین کیا رکاوٹ پیدا کریگی، جبکہ یہ دونون زبانین اصلاً ایک اور ایک ہی درخت کی دو شاخین، اور ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہین، ہندی کے ان نادان دوستون کا ذکر نہین جو اس پر بیرونی سایہ بھی پڑنے دینا نہین چاہتے، لیکن جو لوگ اسکی ترقی اور وسعت کے خواہشمند ہین انکے لحاظ سے بھی اردو کو باقی رکھنا ضروری ہے، اسلئے کہ جب یہ دونون زبانین ساتھ ساتھ چلین گی تو ایک دوسرے سے متاثر ہون گی، اور اردو کی لطافت اور نفاست سے ہندی کا رنگ روپ اور نکھرے گا، اور ہندی کی ملاحت اور اردو کی صباحت کے میل سے زبان کا ایک نیا روپ، ایک نیا حسن، اور نیا کلچر پیدا ہو گا، جو آزاد ہندوستان کی متحدہ قومیت کا سب سے بڑا نشان ہوگا، زبانین جبر و قوت سے بنائی اور مٹائی نہین جا سکتین، بلکہ طبعی عوامل

ماتحت صدیوں مین بنتی اور بگڑتی ہین، اس لئے ہندوستان مین ایک نہ ایک دن عام بول چال کی زبان پیدا ہوکر رہیگی جو نہ خالص اردو ہوگی اور نہ شدھ ہندی بلکہ ان دونوں کی آسان اور سلیس شکل ہوگی یہی زبان ہندوستان کی اصل مشترک زبان ہوگی،

ہم نے پہلے بھی یہی مشورہ دیا تھا، اور اب بھی ہماری یہی رائے ہو کہ اردو کی موجودہ تحریک کی قیادت انجمن ترقی اردو کے ہاتھوں مین رہنی چاہئے، اور دوسرے ادارون کو اس کام مین اس کا ہاتھ بٹانا چاہئے، اس لئے کہ اس مین اسی جماعت یا ادارہ کی کامیابی کے امکانات زیادہ ہین، جو پہلے سے مستقل اور منظم ہو، اور پبلک اور گورنمنٹ دونون مین اُس کو اعتبار و اعتماد حاصل ہو، یہ خصوصیات صرف انجمن ترقی اردو مین ہین، انجمن کے متعلق یہ بدگمانی صحیح نہین ہو کہ وہ نیم سرکاری ادارہ ہو اسلئے ممکن ہو کہ آیندہ ضرورت کے وقت وہ تیز قدم نہ اٹھا سکے اور کسی نازک مرحلہ مین اس کام کو ادھورا چھوڑ کر الگ ہو جائے، اولاً یہ محض ایک قانونی دکالت ہے جس مین کسی انقلابی قدم کی ضرورت ہی نہ پیش آئیگی، لیکن اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو اب انجمن پیچھے قدم نہین ہٹا سکتی، اس لئے کہ اس تحریک کو ہاتھ مین لینے کے بعد اُسکا وجود اس سے وابستہ ہو گیا ہو اگر وہ اس کام مین کسی قسم کی کمزوری دکھائیگی، تو وہ ختم ہو جائے گی، اور اب اردو کا مسئلہ قومی بن گیا ہے اس لئے انجمن کی علحدگی سے وہ ختم بھی نہین ہو سکتا، اس لئے انجمن سے اسکو نقصان پہنچنے کا کوئی اندیشہ نہین ہے،

اس تحریک کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہو کہ جہان جہان اُسکی آواز پہنچ گئی ہو لوگون مین اسکو کامیاب بنانیکا جوش و ولولہ پیدا ہو گیا ہو، چنانچہ اعظم گڈھ کے دور دراز دیہاتوں کے باشندے فارم لینے کے لئے برابر آرہے ہین، دارالمصنفین اس وقت تک کئی ہزار فارم اپنے پاس سے چھپوا کر تقسیم کر چکا ہو، ضرورت ہو کہ اس جوش اور مستعدی سے پورا فائدہ اٹھایا جائے، اگر یہ کام پورے ضبط و نظام سے کیا گیا تو بیس لاکھ کیا چالیس لاکھ دستخطون کا حصول بھی مشکل نہین ہے،

مقالات

اردو کی لسانی علمی اور تمدنی اہمیت

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۲)

اردو زبان کی تمدنی حیثیت اور اس کے تمدنی الفاظ کا ذخیرہ

اردو تمدنی حیثیت سے بھی نہایت ترقی یافتہ اور وسیع زبان ہے اور اس مین نظام حکومت سے لیکر تہذیب و معاشرت تک ایک اعلیٰ اور متمدن زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق نہایت کثرت سے تمدنی الفاظ و اصطلاحات ہین، ہندوستان کے مسلمان سلاطین خصوصاً تیموریوں کا تمدن عربی، ایرانی، ترکی، اور ہندی تہذیب کا خلاصہ اور عطر تھا، ایرانی اور عربی تمدن تو وہ اپنے ساتھ لائے تھے، ہندوستان آنے کے بعد وہ قدرۃً بھی یہان کے تمدن سے متاثر ہوئے، اور چونکہ انھون نے ہندوستان کو اپنا وطن بنا لیا تھا، اس لئے ہندی تمدن کو انھون نے اپنانے کی بھی کوشش کی، چنانچہ بہت سی ہندوانہ رسمین تک اختیار کر لین، اور اُن کا تمدن ہندو تہذیب سے اتنا متاثر ہوا کہ اس کا کوئی شعبہ حتیٰ کہ مذہب تک اُس کے اثرات سے خالی نہین ہے، مسلمانون کی شادی اور غمی کی بہت سی رسمین آج بھی ہندوانہ ہین جن سے ہم سب واقف ہین، اس اثر سے ہندو تہذیب کے بہت سے الفاظ و اصطلاحات بھی اردو مین آگئے، جس کی مثالین آیندہ آئین گی،

ماتحت صیدون مین بنتی اور بگڑتی ہین، اس لئے ہندوستان مین ایک نہ ایک دن عام بول چال کی زبان پیدا ہوکر رہیگی، جو نہ خالص اردو ہوگی اور نہ شدھ ہندی بلکہ ان دونوں کی آسان اور سلیس شکل ہوگی یہی زبان ہندوستان کی اصل مشترک زبان ہوگی،

ہم نے پہلے بھی یہی مشورہ دیا تھا، اور اب بھی ہماری یہی رائے ہے کہ اردو کی موجودہ تحریک کی قیادت انجمن ترقی اردو کے ہاتھون مین رہنی چاہئے، اور دوسرے ادارون کو اس کام مین اس کا ہاتھ بٹانا چاہئے، اس لئے کہ اس مین اسی جماعت یا ادارہ کی کامیابی کے امکانات زیادہ ہین، جو پہلے سے مستقل اور منظم ہو، اور پبلک اور گورنمنٹ دونون مین اس کو اعتبار و اعتماد حاصل ہو، یہ خصوصیات صرف انجمن ترقی اردو مین ہین، انجمن کے متعلق یہ بدگمانی صحیح نہین ہے کہ وہ نیم سرکاری ادارہ ہے اسلئے ممکن ہے کہ آیندہ ضرورت کے وقت وہ تیز قدم نہ اٹھا سکے اور کسی نازک مرحلہ مین اس کام کو ادھورا چھوڑ کر الگ ہوجائے اولاً یہ مہم صرف ایک قانونی وکالت ہے جس مین کسی انقلابی قدم کی ضرورت ہی نہ پیش آئیگی، لیکن اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو اب انجمن پیچھے قدم نہین ہٹا سکتی، اس لئے کہ اس تحریک کو ہاتھ مین لینے کے بعد اسکا وجود اس سے وابستہ ہوگیا ہے اگر وہ اس مہم مین کسی قسم کی کمزوری دکھائیگی، تو وہ ختم ہوجائے گی، اور اب اردو کا مسئلہ قومی بن گیا ہے اس لئے انجمن کی علحدگی سے وہ ختم بھی نہین ہوسکتا، اس لئے انجمن سے اسکو نقصان پہنچنے کا کوئی اندیشہ نہین ہے،

اس تحریک کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جہان جہان اسکی آواز پہنچ گئی ہے لوگون مین اسکو کامیاب بنانے کا جوش و ولولہ پیدا ہوگیا ہے، چنانچہ اعظم گڈھ کے دور دراز دیہاتون کے باشندے فارم لینے کے لئے برابر آرہے ہین، دار المصنفین اس وقت تک کئی ہزار فارم اپنے پاس سے چھپواکر تقسیم کرچکا ہے، ضرورت ہے کہ اس جوش اور مستعدی سے پورا فائدہ اٹھایا جائے اگر یہ کام پورے ضبط و نظام سے کیا گیا تو بیس لاکھ کیا چالیس لاکھ دستخطون کا حصول بھی مشکل نہین ہے،

مقالات

اردو کی لسانی علمی اور تمدنی اہمیت

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۲)

اردو زبان کی تمدنی حیثیت اور اس کے تمدنی الفاظ کا ذخیرہ

اردو تمدنی حیثیت سے بھی نہایت ترقی یافتہ اور وسیع زبان ہے اور اس مین نظام حکومت سے لیکر تہذیب و معاشرت تک ایک اعلیٰ اور متمدن زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق نہایت کثرت سے تمدنی الفاظ و اصطلاحات ہین، ہندوستان کے مسلمان سلاطین خصوصاً تیموریون کا تمدن عربی، ایرانی، ترکی، اور ہندی تہذیب کا خلاصہ اور عطر تھا، ایرانی اور عربی تمدن تو وہ اپنے ساتھ لائے تھے، ہندوستان آنے کے بعد وہ قدرۃً بھی یہان کے تمدن سے متاثر ہوئے، اور چونکہ انھون نے ہندوستان کو اپنا وطن بنالیا تھا، اس لئے ہندی تمدن کو انھون نے اپنانے کی بھی کوشش کی، چنانچہ بہت سی ہندوانہ رسمین تک اختیار کرلین، اور ان کا تمدن ہندو تہذیب سے اتنا متاثر ہوا کہ اس کا کوئی شعبہ حتیٰ کہ مذہب تک اس کے اثرات سے خالی نہین ہے، مسلمانون کی شادی اور غمی کی بہت سی رسمین آج بھی ہندوانہ ہین جن سے ہم سب واقف ہین، اس اثر سے ہندو تہذیب کے بہت سے الفاظ و اصطلاحات بھی اردو مین آگئے جس کی مثالین آیندہ آئین گی،

تیموریوں کے زمانہ میں اردو نے مستقل زبان کی حیثیت اختیار کی، اور وہ عوام و خواص سب کی زبان بن گئی، اور قلعۂ معلّیٰ تک سے فارسی اور ترکی کو ہٹا کر ان کی جگہ قابض ہو گئی، چنانچہ آخری دَور کے تیموری سلاطین کی زبان اردو تھی، بلکہ قلعۂ معلّیٰ ہی کی زبان سب سے زیادہ مستند اور فصیح سمجھی جاتی تھی، جو آج تک اردوے معلّیٰ کے نام سے موسوم ہے،

اردو زبان گو عوام کے میل جول سے پیدا ہوئی، مگر حکومت کے سایہ میں اس کی نشو و نما ہوئی، اور دلی اور لکھنؤ کے درباروں میں اس کا رنگ روپ نکھرا، اس لئے عربی، فارسی، ترکی، اور ہندی کے تمدنی الفاظ کا جس قدر ذخیرہ تیموریوں کے زمانہ میں تھا، وہ سب اردو میں منتقل ہو گیا، اس کے بعد انگریزوں کے دور میں اُن کے نظامِ حکومت اور مغربی تہذیب و معاشرت کے جو نئے الفاظ ہندوستان آئے، وہ بھی اُردو میں داخل ہو گئے، اس طرح اردو کے تمدنی الفاظ کا ذخیرہ نہایت وسیع ہو گیا، اور اس میں تمدنی [illegible] کے جس قدر الفاظ ہیں، وہ ہندوستان کی کسی زبان میں نہیں ہیں، گو قدیم مشرقی تہذیب یا نئی اصطلاح میں جاگیردارانہ تمدن کے زوال کے ساتھ بہت سے پرانے الفاظ جن کے استعمال کا اب کوئی محل ہی نہیں رہ گیا ہے، ترک ہو گئے ہیں مگر وہ ہر شعبۂ زندگی میں اس قدر سرایت کئے ہوئے تھے کہ اب بھی ہندوستانی تہذیب و معاشرت میں اُن ہی کا اثر غالب ہے،

ان الفاظ کو پیش کرنے سے پہلے ایک چیز کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے، اردو میں جیسا کہ اوپر اعداد و شمار سے بتایا گیا ہے، عربی اور فارسی کے مقابلہ میں ہندی الفاظ کی بڑی اکثریت ہے، اور روزانہ کی معاشرت، بول چال اور رسم و رواج کے بیشتر الفاظ ہندی ہیں، لیکن تمدنی الفاظ عربی اور فارسی کے زیادہ ہیں، جو بالکل قدرتی ہے، اس لئے کہ ہندوستان میں جو اسلامی تمدن آیا، وہ صدیوں ..... کا ترقی یافتہ اور بڑی عظیم الشان اور متمدن حکومتوں کا ساختہ و پرداختہ تھا، اس لئے ہندوستانی تمدن کے مقابلہ میں قدرۃً اس میں تمدنی الفاظ کا ذخیرہ زیادہ تھا، جس طرح آج مغربی تمدن کے

سیکڑوں بلکہ ہزاروں انگریزی الفاظ و اصطلاحات جن کا بدل ہندوستانی زبان میں موجود نہیں ہے اس میں رائج ہو گئے ہیں،

حکومت کے مختلف شعبوں کے الفاظ و اصطلاحات

تیموریوں کا نظامِ حکومت اپنے زمانہ کے لحاظ سے بڑا ترقی یافتہ تھا، اور اور اس کے مختلف شعبوں کے متعلق سیکڑوں الفاظ و اصطلاحیں تھیں جنکی تفصیل آئینِ اکبری میں موجود ہے، اس میں عربی فارسی اور ترکی کے ساتھ بہت سے ہندی کے الفاظ بھی ہیں، انگریزوں کے زمانہ میں جو نظامِ حکومت قائم ہوا اس میں گو بہت سے پرانے الفاظ ترک ہو گئے، پھر بھی ان کی خاصی تعداد باقی ہے، اور ان کے ابتدائی دور میں عربی اور فارسی کا اتنا اثر غالب تھا کہ ان کے دَور میں جو نئے الفاظ بنائے گئے، اُن میں بھی عربی اور فارسی الفاظ کی بڑی کثرت ہے، مثلاً

صوبہ، ضلع، تحصیل، عدالت، کچہری، دیوانی، فوجداری، منصفی، محافظ خانہ، مال خانہ، خزانہ، جیل خانہ، تھانہ، چنگی گھر، وزیر، منصف، تحصیلدار، نائب تحصیلدار، کوتوال، گرداور، قانون گو، پٹواری، ٹھیکہ، منصرم، قرق امین، امین بٹوارہ، حاکم بندوبست، پیمائش، کوتوالی، حوالات، داروغہ، تھانہ دار، حولدار، دفعدار، ضلع دار، سربراہ کار، نمبردار، محرر، منشی، مدعی، مدعی علیہ، عرضی دعویٰ، استغاثہ، گواہ، بحث، جرح، مسل، مسل خوان، سمن، اجراے ڈگری، قرقی، جرمانہ، ہرجانہ، دستاویز، بیعنامہ، رہن نامہ، اقرارنامہ، صلحنامہ، بیع، رہن، رہن با قبضہ، فک رہن، مکفول، غدرداری، حبس دوام، بندوبست، بے دخلی، دخل دہانی، اراضی کاشتکار، مزروعہ، غیر مزروعہ، ترددِ اراضی، کاشت، خود کاشت، سیر، شکمی، غلّہ، پٹہ، قبولیت، پٹہ استمراری، لگان، مالگذاری، محصول، کھتونی، سیاہہ، واصل باقی، سیاہہ نویس، واصل باقی نویس، ڈاکخانہ، تارگھر، بیمہ، لفافہ وغیرہ، نظامِ حکومت کے مختلف شعبوں کے متعلق اس قسم کے سیکڑوں الفاظ ہیں جن کو جاہل سے جاہل دیہاتی بھی آسانی کے ساتھ بولتے، اور سمجھتے ہیں،

انگریزوں کے زمانہ میں انگریزی کے جو الفاظ آئے، وہ بھی اردو زبان میں اس طرح کھپ گئے کہ آج اُن کو ہر عامی و جاہل سمجھتا ہے، مثلاً گورنر، کمشنر، ڈپٹی کمشنر، کلکٹر، ڈپٹی کلکٹر، جج، ہائی کورٹ، بیرسٹر، جیل، جیلر، پولیس، ڈسٹرکٹ بورڈ، میونسپلٹی، کونسل، اسمبلی، پارلیمنٹ، پوسٹ آفس، پوسٹ کارڈ، منی آرڈر، وی پی، اسپتال، اسکول، کالج، یونیورسٹی، پروفیسر، ٹیچر، ماسٹر، ریل، ڈرائیور، گارڈ وغیرہ،

کھانے اور ان کے اقسام انسانی ضروریات میں ہمارے ترقی پسند دوستوں کے خیال کے مطابق سب سے مقدم پیٹ اور کھانا ہے، اردو کا نعمت خانہ الوانِ نعمت سے معمور ہے، شاہی اور طبقۂ امراء کے خاصہ کے کھانوں کو چھوڑ کر جن کے نام اب صرف کتابوں میں ملتے ہیں، ان کھانوں کی بھی بڑی تعداد ہے، جو آج بھی خوشحال گھرانوں میں خصوصاً تقریبات کے موقعوں پر عام طور سے رائج ہیں، مگر اس گرانی کے زمانہ میں جب کہ پیٹ بھر روٹی نہیں ملتی ان کھانوں کا تذکرہ ایسا ہی ہے جیسے :-

عہدِ پیری شباب کی باتیں   ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

اور اُن کے اقسام اس قدر کثیر ہیں کہ اُن کا مزا چکھنا بھی دشوار ہے، اور ان سے بہتیرے لوگ واقف ہیں، اردو میں ان کھانوں اور اُن کے پکانے کی ترکیب پر مستقل کتابیں موجود ہیں، اس لئے ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں، اسی طرح مٹھائیوں اور حلوہ جات، شربت اور مربوں کی بے شمار قسمیں ہیں، پھر ان میں لذتِ کام و دہن کے ساتھ کیوڑے، زعفران، چاندی کے ورق، اور پستہ کی ہوائی سے حسن و لطافت اور رنگ و مزہ کا اہتمام کیا گیا، بازاری مٹھائیاں اگرچہ زیادہ تر ہندوستانی ہیں، لیکن اردو نے حلوائی تک کے نام پر قبضہ کر لیا، جو عربی ہے، اور اگر ہندی میں اس کے لئے کوئی لفظ ہے، بھی تو وہ بالکل متروک ہے، اور ہندو مسلمان سب حلوائی بولتے ہیں، ممکن ہے اب اس کا کوئی ہندی ترجمہ ہو جائے،

کھانے اور دسترخوان کے لوازم اردو میں کھانے اور دسترخوان کے لوازم اور ساز و سامان کا بھی بڑا ذخیرہ ہے، کھانے کا سادہ طریقہ تو یہ ہے کہ چولھے کے پاس بیٹھ کر، پترے یا مٹی کے برتن میں کھا لیا، اور ہاتھ منھ

پونچھ کر ڈکار لیتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے، مگر اردو کے دسترخوان کے تکلفات ملاحظہ ہوں

فرش، دسترخوان، سینی، کشتی، خوان، خوان پوش، پیالے، بادیے، کاسے، رکابی، تشتری، قاب، چمچے، نمکدان، سیلابچی، آفتابہ، تسلہ، صابون، رومال، صراحی، آبخورے، برقاب، رکابدار، باورچی وغیرہ، یہ کوئی غیر معمولی ساز و سامان نہیں ہے، بلکہ یہ تمام چیزیں عام طور سے خوشحال اور ستھرے طبقوں میں روزانہ کے معمولات میں شامل ہیں،

پان اور حقہ ہندوستانی گھروں میں پان اور حقہ کھانے کا گویا بدرقہ اور ملنے والوں کی تواضع اور مدارات کا ضروری جزء ہے، پان خاص ہندوستان کی چیز ہے، اردو نے اس میں جس قدر نفاست اور تکلفات پیدا کئے، اس کا اندازہ لکھنؤ کے بیگماتی پانوں سے ہو سکتا ہے، اس کو پاندان، خاصدان، تقابہ اور اگالدان دیئے، چاندی کے ورق سے آراستہ، اور زردہ، قوام، شاہی گولیوں اور الائچی دانہ سے معطر کیا، کتھے کو کیوڑے سے بسایا، دھان اور پان کی نزاکت مشہور ہے، اسی سے نازک اور نزاکت کے لئے دھان پان کا محاورہ پیدا ہوا، اردو نے پان کو گرمی کی تمازت سے بچانے کے لئے خس کی پٹاری کا خسخانہ اور تول سے منڈھی ہوئی کوری سوندھی سوندھی اور پانی سے تربتر ہانڈیوں کا آبدار خانہ تیار کیا، اور پان جیسی معمولی چیز کو لطف و لطافت کا مرقع بنا دیا؛

یہی حال حقہ کے تکلفات کا ہے، اس کی ابتدائی اور سادہ شکل نریل ہے، جو آج بھی دیہاتوں میں رائج ہے، بلکہ خالی سلفہ کی دم کشی ہے، اردو نے نیچہ، پیچوان، شٹک، فتح پیچ، مدریہ اور ہر دم تازہ وغیرہ بنائے، اُن کو مکلف فرشی سے آراستہ کیا، چلم کے سر پر چنبل کا تاج رکھا، صفائی و نفاست کے لئے منال لگائی، گرمیوں میں اُن کو خس سے ٹھنڈا کیا، عطریات سے بسایا، اور دورسہ اور چورسہ وغیرہ ایسے خوشبودار خمیرے تیار کئے، جن کی خوشبو سے فضا معطر ہو جاتی ہے،

لباس و پوشاک کھانے اور اُس کے لوازمات کے بعد لباس کا درجہ ہے، اردو کا توشہ خانہ مختلف قسم کی

پوشاکون سے مزین ہی، اور ان پرانے لباسون کو چھوڑ کر جو اب جسم سے اتر چکے ہین، رائج لباسون کی جنکو ہندو مسلمان سب پہنتے ہین، بہت سی قسمین ہین، مثلاً شیروانی، انگرکھا، چکن، کرتا، قمیص، پائجامہ، اور اس کی قسمین، اڑا، چوڑی دار، بڑی مہری وغیرہ،

شلوار، شرعی پائجامہ، دھوتی، لنگی، تہمد، مرزئی، صدری، فتوحی، نیم آستین، شال، دوشالہ، دولائی، موزہ، رومال، ازاربند، ٹوپیان، دوپلی، کشتی نما، چوگوشیہ، پلہ، رام پوری، کلاہ، ترکی ٹوپی، گاندھی ٹوپی، صافہ، پگڑی، عمامہ وغیرہ،

پرانے جوتے تو اب ترک ہو چکے ہین، اُن کی جگہ انگریزی جوتون کا چلن ہو، تاہم آج بھی، دلی کے سلیم شاہی، سادہ مخملی اور پرزر جبیدہ کی پرکار اور حیدرآباد کے نازک اندام جوتے نفاست پسند طبقہ مین عام طور سے رائج ہین،

انگریزی لباس کوٹ، پتلون، اور ہیٹ وغیرہ بھی گویا ہندوستانی بن گئے ہین، یہ تو صرف مردانہ لباسون کے نام ہین، اگر عورتون کے لباسون کو بھی شامل کر لیا جائے، تو اُن کی تعداد بہت بڑھ جائیگی،

بستر مین دری، قالین، لحاف، توشک، سوزنی، رضائی، دلائی، پلنگ کی چادر، تکیے، بغلی تکیے، یا گل تکیے، بوغبند، اور بستر بند وغیرہ،

لباس سے متعلق خیاطی کی اصطلاحات، قطع، دامن، آستین، جیب، گریبان، کلی، گلو بند، تعویذ، کف، مہری، بغل، چوبغلہ، کلی، نیفہ، پائچے، ابرہ، استر، مغزی، گوٹ، بخیہ، سوزن کاری، اور رفو وغیرہ جن سے ہر درزی واقف ہی، اسی قسم کے الفاظ ہر پیشہ کے متعلق ہین،

کپڑون کی قسمین پارچہ بافی اگرچہ ہندوستان کی قدیم صنعت ہی، مگر مسلمانون کے زمانہ مین اس مین بڑی ترقی ہوئی، اور بڑا تنوع پیدا ہوا، ان مین بہت سے نام اپنی اصل ونسل کا پتہ دیتے ہین، مثلاً مشروع، گلبدن، سنگی، سوسی، اطلس، مخمل، کمخواب، مشجر، نیم زری، موج دریا، جامدانی، کامدانی، تنزیب، آب رواں، جامہ وار، طوس، اور شال وغیرہ،

کپڑون اور لباس کے متعلقات کے سیکڑون الفاظ ہین، جن کی فہرست بہت طویل ہے،

مکان مسلمانون نے ہندوستان کے طرز تعمیر مین بڑی جدتین پیدا کین، اس لئے عمارتون اور رہائشی مکانون کے متعلق اردو مین بہت سے الفاظ ہین، جو اُن کی تمدنی نقش آرائی کا پتہ دیتے ہین مثلاً محل، محل سرا، دیوان خانہ، مردانہ، زنانہ، زنانخانہ، زنانہ ڈیوڑھی، خلوت، ڈیرہ، باورچی خانہ، غسلخانہ، مودی خانہ، پاخانہ، آبدارخانہ، بالاخانہ، شاگرد پیشہ، دالان، اسارا، رواق، صحنچی، شہ نشین، اک درہ، سہ درہ، بارہ دری، دالان، سائبان، برآمدہ، کمرہ، تہ خانہ، وغیرہ، عمارتون کے متعلقات، در و دیوار، محراب، ستون، کرسی، برج، گنبد، مینار، روشندان، روزن، ہوادار، آثار، بنیاد، طاق، آئینہ بندی، کاشی کاری، اور پچی کاری وغیرہ،

مکانون کی آرائش تمدنی زندگی کا ایک بڑا مظہر مکان کا طرز آرائش، اور سامان زینت ہے، اردو مین مکانون کی آرائش کا بڑا سامان ہے، مثلاً تخت، چوکہ، چوکی، تپائی، چٹائی، دری، فرش، قالین، جاجم، شطرنجی، مسند، گاؤ تکیہ، پردے، چلمن، چھت گیری، دیوار گیری، فراشی پنکھا، مسہری، مچھر دانی، گلدان، گلدستہ، تصویرین، مرقعے، طغرے، آئینے، میز پوش، اور پلنگ پوش وغیرہ، میز اور کرسی کو انگریزی تمدن کی ایجاد سمجھا جاتا ہی، مگر یہ الفاظ خود اپنی اصل کے شاہد ہین، یہ سامان آرائش کوئی غیر معمولی نہین، بلکہ عام طور سے اوسط درجہ کی صاف ستھری معاشرت کے لئے ضروری ہی،

شیشہ آلات یعنی وہ سامان جو روشنی اور آرائش دونون کا کام دیتے ہین، اردو مین اس کی اتنی قسمین ہین کہ اس زمانہ مین بھی جب کہ بجلی کی روشنی نے سارے چراغ گل کر دیئے ہین، روشنی کے آلات کی اتنی قسمین نہین مل سکتین، مثلاً شمع، شمعدان، قندیل، مشعل، جھاڑ، فانوس، کنول، ہانڈی، مردنگی، الگا، دوشاخہ، سہ شاخہ، پنجشاخہ، قمقمہ، لگن، آکاس دیا، اور دیپ مالا وغیرہ،

باغ وچمن وسط ایشیا کا بڑا حصہ باغ و بہار پر مشتمل ہے، اس لئے یہان کی قومون کو باغ و چمن، اور

سبزہ وآبِ رواں کا بڑا ذوق تھا، ہندوستان کا خطہ قدرتی طور پر سیر حاصل، اور سرسبز و شاداب ہے،
تیموریوں نے اس کو اپنے حسنِ مذاق سے چمن زار بنادیا، جس کی شہادت آج بھی کشمیر اور لاہور کے باغات
دیتے ہیں، کشمیر کا علاقہ ہمیشہ سے ہندوستان میں تھا، مگر اس الھڑ پیکر جمال کی طرح ۔۔۔ جو اپنے حسن کی
کی سحر آفرینی سے بے خبر ہو، تیموریوں نے اس کو سنوار کر رشکِ فردوس بنادیا، ان کو باغ و چمن کا اتنا
ذوق تھا کہ ہندوستان کا کوئی ایسا خطہ نہیں ہے جہاں میں تیموریوں کی چمن آرائی کی کوئی نہ کوئی یادگار
نہ ہو، خود آپ کا یہ شہر لکھنؤ جو اب پرانے لکھنؤ کی صرف یادگار رہ گیا ہے کسی زمانہ میں ہرا بھرا گلزار تھا،
اس کے پرانے باغوں کے نام قیصر باغ، سکندر باغ، بنارسی باغ، عیش باغ، چار باغ، بادشاہ باغ،
نشاط باغ، وغیرہ آج بھی اس کی شہادت دیتے ہیں، اب صرف دو باغ، بنارسی باغ، اور سکندر باغ
خزاں کی دست و برد سے بچ رہے ہیں، تاہم اس شہر کی یہ خصوصیت آج بھی کسی حد تک قائم ہے، اور
اتنے باغ و چمن مشکل سے کسی دوسرے شہر میں نکلیں گے، چمن آرائی کے اس ذوق کی وجہ سے اردو میں باغ
و بہار کے متعلق دلکش و دلفریب الفاظ کا پورا ذخیرہ موجود ہے، مثلاً گل و گلزار، گلشن، گلستان، گلکدہ،
گلبن، خیابان، باغبان، چمن، چمنستان، باغ و راغ، پھلواڑی، گلاب باڑی، چمن بندی، چمن آرائی،
روش، جدول، تختۂ گل، آبِ رواں، مرغزار، حوض، فوارہ اور نہر وغیرہ، اس حیثیت سے اردو کے باغ
کی بہار دیکھنے کے لائق ہے، مگر اسکی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے،

خیمہ و خرگاہ فارسی کا مشہور شعر ہے،

منعم بکوہ و دشت و بیابان غریب نیست ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

دشت و بیابان کی اس بارگاہ کی کیفیت اور اس کا ساز و سامان اردو میں ملاحظہ ہو،

خیمہ، چھولداری، اک چوبا، دو چوبا، خرگاہ، شامیانہ، عماری، دو آشیانہ، راوٹی، قلندری،
سراپردہ، سراچہ، شبنمی، نمگیرہ، منڈل، قنات، خیموں کی قسموں اور اس کے دوسرے لوازم کی

فہرست اس سے بھی زیادہ طویل ہے،

تمدنی صنعتوں اور اہلِ حرفہ کے نام ہر دور کی صنعت و حرفت اور پیشے اس دور کے تمدنی درجہ کا مظہر ہوتے ہیں
اردو میں اعلیٰ اور ترقی یافتہ صناعیوں اور پیشوں، اور اہلِ حرفہ کے متعلق بہت
سے الفاظ ہیں، مثلاً

عطر ساز، آئینہ ساز، گھڑی ساز، عینک ساز، دندان ساز، ملمع کاری، منبت کاری، مینا کاری،
بچہ کاری، کاشی کاری، سوزن کاری، مرصع کاری، زر کار، ساہوکار، قلعی گر، صیقل گر، زرگر، کیمیاگر، شیشہ گر،
کاریگر، رفوگر، طبلچی، باورچی، مشعلچی، بندوقچی، توپچی، خزانچی، تحصیلدار، چوکیدار، ضلعدار، صوبہ دار، جمعدار، ٹھیکیدار،
کتب فروش، تھوک فروش، خوردہ فروش،

علم و ادب میں :- مضمون نگار، افسانہ نگار، سوانح نگار، نامہ نگار، اخبار نویس، افسانہ نویس، تذکرہ نویس، ضمیمہ نویس،
عرائض نویس، کاپی نویس، نقشہ نویس، نقل نویس، مسودہ نویس، مختصر نویس، وغیرہ، اس قسم کے الفاظ
کی فہرست طویل ہے،

مختلف شعبوں کے الفاظ ملاحظہ ہوں، آئینہ خانہ، آبدار خانہ، خسخانہ، توپخانہ، پاگل خانہ، شفاخانہ، ڈاکخانہ،
غریب خانہ، کتب خانہ، لنگر خانہ، عاشور خانہ، مویشی خانہ، چڑیا خانہ، اور مہمان خانہ، آرامگاہ، بندرگاہ، اور
بارگاہ، تماشاگاہ، خیمہ و خرگاہ، وغیرہ،

گلاب پاش، عطردان، قلمدان، عوددان، چراغ دان، اگردان، توشہ دان، سنگھاردان، پاندان،
پاانداز، زیرانداز، اصطبل، سائیس، گاڑیبان، کوچبان، فیلبان، میانہ، فینس، پالکی، سکھ پال، دربان،
خانساماں، انا، ماما، اصیل، کھلائی، دائی، مغلانی، پیش خدمت، خدمت گار، جاروب کش، آبدار خانہ،
چوکی، حمام، توشہ خانہ، آتش باز، آتش بازی، آرام کرسی، وغیرہ

اردو کے تمدنی الفاظ کی تفصیل اس مختصر مضمون میں دشوار ہے، ان کی بوقلمونی، دلی، اور لکھنؤ

کے پرانے مصنفین کی کتابوں مثلاً فسانۂ آزاد، امراؤ جان ادا، لکھنؤ کے تمدن کا آخری نمونہ اور شاہد رعنا وغیرہ میں نظر آسکتی ہے،

زبان کی شائستگی جو قوم جس قدر مہذب اور شائستہ ہوگی، اسی قدر اس کے آداب، ملنے جلنے کے طریقے، انداز گفتگو، اور اس سے متعلق الفاظ بھی شائستہ ہوں گے، آج کل مشرقی تہذیب خصوصاً لکھنؤ کے تکلفات کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اور اس کے متعلق بہت سے لطائف وظرائف مشہور ہیں، لیکن اُن کی حیثیت لطائف ادبی سے زیادہ نہیں ہے، کوئی مہذب قوم بھی اس قسم کے آداب وتکلفات سے خالی نہیں، اگرچہ اُن کی نوعیت مختلف ہو، ادب وتمیز کلچر کا ثبوت ہے، اردو اس حیثیت سے بھی نہایت شستہ زبان ہے کہ اُس میں ہر موقع ومحل کے لئے نہایت شائستہ الفاظ ہیں، مثلاً اسلامی سلام "السلام علیکم" ہے، اردو نے اس میں آداب، آداب عرض، تسلیم، تسلیمات، اور بندگی وغیرہ کا اضافہ کیا،

مختلف مدارج کے اپنے سے بلند مرتبہ کے خطاب کے الفاظ،

عالیجناب، جناب والا، جناب عالی، عالی مرتبت، سرکار، حضور، اعلیحضرت، بندگان عالی، بندہ پرور، بندہ نواز، پیر ومرشد، خداوند نعمت، صاحبزادہ، صاحبزادی وغیرہ،

خاکساری کے الفاظ: حقیر، فقیر، خاکسار، کمترین، نیازمند، نیاز کیش، فدوی، خادم، خانہ زاد، غلام، دعاگو، ذرۂ بے مقدار، ہیچ میرز، بندہ زادہ، اور بندہ زادی وغیرہ

شکریہ کے الفاظ: شکریہ، لطف وکرم، عنایت، نوازش، عزت افزائی، ذرہ نوازی، بندہ پروری، قدردانی، قدر افزائی، اور حوصلہ افزائی، وغیرہ،

درخواست کے الفاظ: درخواست، عرض، گذارش، التماس، التجا وغیرہ،

نام ووطن کے استفسار کے لئے: اسم گرامی، اسم سامی، اسم شریف، نام نامی، دولت خانہ، دولت کدہ، وطن مالوف وغیرہ،

مزاج پرسی کے لئے: مزاج عالی، مزاج گرامی، مزاج شریف، مزاج مبارک، وغیرہ،

دعائیہ فقرے: مدظلہ، دام ظلہ، زاد مجدہ، زاد فضلہ، دامت برکاتہ، دامت معالیہ، خدا خوش رکھے، سلامت رکھے، تا صد وسی سال سایہ قائم رکھے، غالب نے اس کو یہاں تک بڑھادیا،

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

زبان کی شائستگی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ایسے الفاظ کے استعمال سے پرہیز کیا جاتا ہے جس میں تنقیص، تحقیر، عیب، سوء ادب، ذم یا بدشگونی کا پہلو نکلتا ہو، اور اس مفہوم کو دوسرے پیرایہ میں ادا کیا جاتا ہے، مثلاً

مرگئے کے بجائے، اللہ کو پیارے ہوگئے، واصل بحق ہوگئے، سفر آخرت کیا، جنت کی راہ لی، جنت کو سدھارے وغیرہ،

مردوں کے لئے: مرحوم، رحمۃ اللہ علیہ، قدس سرہ، خلد آشیاں، خلد نشین، خلد مقام، جنت آرامگاہ اور آنجہانی وغیرہ،

اسی طریقہ سے احمق کے لئے عقلمند، غبی، اور کند ذہن کے لئے خوش فہم، منحوس کے لئے سبز قدم وغیرہ

ہندوستان میں ذات پات کی تقسیم کی وجہ سے ادنی پیشوں کو ذلیل سمجھا جاتا ہے، اور ان پیشوں کے الفاظ میں بھی ذلت اور تحقیر کا پہلو نکلتا ہے، اردو نے اس قسم کے بہت سے الفاظ کو بدل دیا، مثلاً بھنگی کے لئے مہتر، حلال خور، جمعدار، جولاہے کے لئے نور باف اور شیخ جی، گندھی کے لئے عطار، نائی کے لئے خاص تراش کے الفاظ ایجاد کئے، حتی کہ ذلیل ترین پیشہ وروں کو جو اخلاقی حیثیت سے بھی نہایت پست ہیں، معشوق میر شکار، اور استاد جی جیسے القاب عطا کئے، اندھے کو سورداس، اور حافظ جی کے لقب سے ملقب کیا، فارسی میں اس کو تعبیر کہتے ہیں، اس قسم کے اور بھی بہت سے الفاظ ہیں، مثلاً ادب خانہ، اور چوکی وغیرہ

مختلف موقعوں کے متفرق الفاظ: تشریف آوری، گرم گستری، قدم رنجہ فرمانا، حکم، ارشاد جیسا

ارشاد ہو، لطف ہو، مرحمت ہو، اجازت ہو، بسر وچشم، نظر نواز، ملاحظۂ گرامی، نگاہِ لطف، نظر کرم، ملاحظہ فرمانا، سماعت فرمانا، وغیرہ، اس قسم کے الفاظ کا اردو مین بہت بڑا ذخیرہ ہے، اس مضمون مین اسکے مختصر نمونے بھی دکھانا مشکل ہے، درحقیقت اردو زبان کی شائستگی الفاظ کے ذریعہ پوری طرح ذہن نشین نہین ہو سکتی، اس کی مکمل تصویر حضرات لکھنو، اور اُن کے صحبت یافتہ اشخاص ہی مین نظر آسکتی ہے، خوش قسمتی سے یہ اجلاس اسی گہوارۂ تمدن مین ہو رہا ہے جہان اس کے زندہ مرقعے دیکھے جا سکتے ہین، بلکہ اس جلسہ مین بھی موجود ہین، اس بحث مین راقم اپنے منصب سے آگے بڑھ گیا ہے، اس کا حق حضرات لکھنو کو ہے، راقم ایک دیہاتی ہے، ممکن ہے کسی لفظ کے استعمال مین اس سے غلطی ہو گئی ہو، جس کے لئے وہ معذرت خواہ ہے،

اردو زبان کی کلچرل حیثیت

خالص ہندوستانی نقطۂ نظر سے اردو زبان کی کلچرل اہمیت، اس کی تمدنی اہمیت سے بھی زیادہ ہے، لیکن اس کا یہ پہلو ہمارے موضوع سے خارج تھا، اس لئے اس کی بحث نہین کی گئی تاہم اس کی اہمیت کے لحاظ سے اس کی جانب بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے،

اردو خالص ہندوستانی زبان ہے، اور ہندو مسلمانون کے میل جول سے بنی ہے، اس لئے اس مین نہ صرف عربی اور فارسی الفاظ کے مقابلہ مین ہندی الفاظ کی کثرت ہے، بلکہ خالص ہندو کلچر، اور ہندو تہذیب کے بھی بڑے گہرے اثرات ہین، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانون کی بڑی تعداد نسلاً ہندوستانی ہے، جن کا مذہب تو اسلام ہو گیا لیکن اُن کا کلچر ملکی اور قومی ہی رہا ہے، باہر سے جو مسلمان ہندوستان آئے، وہ بھی اجنبیون کی طرح ہندوستانیون سے الگ تھلگ نہین رہے، بلکہ ہندوستان مین رس بس کر ہندوستانی بن گئے، اس لئے وہ قدرۃً یہان کی قدیم تہذیب سے متاثر ہوئے، اور اس کو اپنانے کی بھی اتنی کوشش کی کہ ہندوستانی معاشرت کے ساتھ بہت سی خالص ہندوانہ رسمین تک اختیار کر لین، چنانچہ آج بھی اُن کی شادی غمی کی بہت سی رسمین ہندوانہ ہین، اور اُن کی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ان اثرات سے خالی نہین ہے، جن سے ہم سب واقف ہین،

ہولی، دیوالی اور بسنت کے تہوار تو غریبون کے جھونپڑون سے لے کر، امراء و سلاطین کے محلات اور صوفیہ کی خانقاہ تک مین منائے جاتے تھے، اور اب بھی منائے جاتے ہین، پرانے بادشاہون کی ہولی کی رنگ رلیون کی داستانین اب تک ہماری شاعری مین محفوظ ہین، بسنت آج بھی صوفیہ کی خانقاہون اور بزرگون کے مزارات پر منایا جاتا ہے، حضرت امیر خسرو کے بسنتی گیت مشہور ہین، دیوالی کی روشنی، اور مٹھائی کے بدلہ مسلمانون نے شبرات کی آتش بازی اور حلوا ایجاد کیا،

ان کی شادی اور غمی کی اکثر رسمین ہندوانہ ہین، پیدائش مین چھٹی، چھلا، سوہل اور ستوڑ کی ساری رسمین، اور ٹونے ٹوٹکے، شادی مین، مانجھا، منڈوا، بارات، دہرہ، سہرا، بدھی، برتی، بدھاوا، ڈولا، چوتھی، چالا، نیگ، اور بابل وغیرہ تمام رسمین، ہندوانہ اور اُن کے سارے گیت ہندی کے ہین، لڑکیون کی رخصتی کے وقت ہر شریف کے گھرانے مین، امیر خسرو کا ہندی بابل گایا جاتا ہے، موت کی رسمون مین تیجہ، دسوان، بیسوان، چالیسی، تماہی، چھماہی، برسی، مردہ کی چیزون سے چھوت، فاتحہ کا مروجہ طریقہ سب ہندو تہذیب کے اثرات ہین، بلکہ ہندو تہذیب کے اثر نے بعض اسلامی طریقون کو بھی بدل دیا، جس گھر مین موت ہو جائے وہان دو تین وقت کھانا بھیجنا مسنون ہے، مسلمانون نے اس دستور کو تو قائم رکھا، لیکن اس مسنون کھانے کو بھاتی بنا دیا، غرض مختلف موقعون کے مراسم اور شگون و بدشگونی کے ٹونے ٹوٹکے، خصوصاً عورتون کی اکثر رسمین خالص ہندوانہ ہین، اگر ان اثرات کی ہمہ گیری دیکھنا ہو، تو مرثیے ملاحظہ فرمائیے، جن مین اہل بیت کرام کی عرب خواتین بھی خالص ہندوستانی لباس مین نظر آتی ہین، اور حضرت قاسم کی شادی اور غمی کے تمام مراسم ہندوستانی ہین،

معاشرت تو معاشرت مسلمانون کا مذہب بھی ہندو اثرات سے محفوظ نہین رہا، چنانچہ تصوف مین جو مذہب کی روح ہے، یوگ اور ویدانت کی بہت سی چیزین شامل ہو گئین، صوفیائے کرام کے عرسون کے بیشتر مراسم غسل، گاگر، صندل، چراغان، چادر، چڑھاوا، قوالی وغیرہ، سب ہندو تہذیب کے اثرات، کا

نتیجہ ہین، حضرت امیر خسرو اور دوسرے صوفی شعراء کے ہندی گیت آج بھی قوالی کی محفلون کو گرم کرتے ہین، محرم کے
بہت سے مراسم بھی ہندو اثرات کا نتیجہ ہین جن کو مذہب اسلام سے کوئی علاقہ نہین ہے، ممکن ہے، اس مین
ایران کے بھی کچھ اثرات ہون، مگر ہندو اثرات سے انکار نہین کیا جاسکتا،

اس سے ظاہر ہوگا کہ مسلمانون کی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ہندو تہذیب کے اثر سے خالی نہین ہے، اس لئے
ہماری روزانہ کی معاشرت، عام بول چال، اور ریت رسمون کے سارے الفاظ و اصطلاحات خالص ہندی ہین، معاشرہ
کی بنیاد خاندان پر ہے، اور اردو مین رشتون اور ناتون کے سارے الفاظ ہندی یا ہندوستانی ہین، مثلاً باپ،
بیٹا، مان بیٹی، لڑکا لڑکی، بہن بھائی، بہنوئی، بھاوج، چچا چچی، مامون، ممانی، نانا نانی، دادا دادی
ناتی نتنی، یا نواسہ، نواسی، پوتا پوتی، سالہ سالی، سلہج، دیور، جیٹھ، دیورانی، جٹھانی، سمدھی سمدھن، ساس
سسر، میکہ، سسرال، ننہیال، ددھیال وغیرہ بلکہ خالہ خالو کے علاوہ رشتے ناتے کے سارے الفاظ ہندوستانی
ہین، اور خالہ، خالو کے معنی اور محل استعمال بھی دونون بدل گئے، عربی مین خال مامون کو کہتے ہین، اور خالہ، خالہ
کو، اردو مین خالہ کا استعمال تو صحیح رہا، مگر خال، خالو بن گیا، اور مامون کے بجائے خالہ کے شوہر کے لئے استعمال
ہونے لگا، یعنی یہ دونون لفظ بھی ہندوستانی بن گئے،

راگ، راگنی، موسیقی، اور رقص و سرود کے سارے الفاظ و اصطلاحات خالص ہندی کے ہین، مگر
اُن کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے، راقم نے کئی سال ہوئے، ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد کے اجلاس
مین ایک مقالہ پڑھا تھا، اس مین تفصیل کے ساتھ اردو شاعری مین ہندو کلچر، اور ہندوستان کے طبعی و
جغرافی اثرات دکھائے تھے یہ مقالہ اکیڈمی کے رسالہ مین شائع ہوچکا ہے، اگر دوسرے کامون سے فرصت
ملی، تو انشاء اللہ کسی موقع پر اردو زبان مین خالص ہندو مذہب اور ہندو تہذیب کے اثرات دکھانے
کی کوشش کی جائیگی،

اردو کی سیاسی اہمیت آخر مین مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اردو کی سیاسی اہمیت پر بھی ایک نظر ڈال

لی جائے، ہندوستان کے تمام پڑوسی ملک اسلامی ہین، جن کی زبان فارسی یا عربی ہے، اردو مین
عربی اور فارسی کے الفاظ بکثرت ہین، اس لئے وہ ان ملکون مین اجنبی اور نامانوس نہین ہے، اس کے
علاوہ مختلف اسباب و تعلقات کی بنا پر وہ ان تمام ملکون مین کسی نہ کسی حد تک سمجھی جاتی ہے، سب سے قریبی
ملک پاکستان ہے، وہ اگرچہ سیاسی حیثیت سے ایک مستقل اور جداگانہ مملکت بن گیا ہے مگر ابھی وہ سیاسی حیثیت کے
علاوہ، ہر حیثیت سے ہندوستان کا ہی ایک کٹا ہوا ٹکڑا ہے، اور دو ایک پشتون تک اس کی اس حیثیت مین
فرق نہین آسکتا، اس لئے اس کا ذکر ہی نہین، اس کے بعد دوسرا پڑوسی ملک افغانستان ہے، اور اس کے
ہندوستان کے ساتھ اتنے گونا گون تعلقات ہین، اور دونون ملکون کے درمیان اس قدر آمد و رفت رہتی ہے
کہ اس کے ہر حصہ مین اردو پوری طرح سمجھی جاتی ہے، حتی کہ شاہی خاندان کے ارکان تک نہ صرف اردو
سمجھتے ہین، بلکہ ان کو اس کے بولنے پر بھی پوری قدرت ہے، ابھی حال ہی مین افغانستان کے وزیر اعظم
محمود شاہ خان نے ہندوستان کی پارلیمنٹ مین نہایت فصیح و بلیغ اردو مین تقریر کی تھی، جو اخبارات مین
شائع ہوچکی ہے، ایران سے اردو کا ایک رشتہ تو فارسی کے واسطے سے ہے، دوسرے وہان بھی ہندوستانیون
خصوصاً مسلمانون کی بڑی آمد و رفت رہتی ہے، اس لئے ایران مین بھی اردو اجنبی نہین ہے، عرب اور عراق
مین تو مسلمانون کے مقدس مقامات ہی ہین، جن کے حج و زیارت کے لئے ہزارون ہندوستانی مسلمان ہر سال
جاتے ہین، بلکہ بہت سے وہان آباد بھی ہوگئے ہین، اس لئے ان دونون ملکون مین اردو پوری طرح سمجھی جاتی
ہے، اور وہان اس کی تعلیم کا بھی انتظام ہے، عرب سے آگے بڑھکر مصر و شام کے ملک ہین، اُن سے بھی
ایک رشتہ تو عربی کے تعلق سے ہے، دوسرے دنیائے اسلام مین مصر عربی تعلیم کا سب سے بڑا مرکز ہے، اس کی
سب سے بڑی یونیورسٹی جامعۂ ازہر مصر ہی مین ہے، اس مین اردو کی بھی تعلیم ہوتی ہے، اور ہندوستان کے
سیکڑون مسلمان طالب علم وہان حصول تعلیم کے لئے جاتے ہین، اس لئے مصر مین بھی اردو سے روشناس ہے، شام
و فلسطین کا بھی یہی حال ہے، ان کے علاوہ جن جن ملکون مین عربی بولی جاتی ہے، وہان اردو بالکل

اجنبی زبان نہین ہے

مشرق مین سیلون، اور برہما مین ہندوستانیون کی بڑی تعداد آباد ہے، اُن کے ذریعہ ان دونون ملکون مین بھی اردو پہنچ گئی ہے، مشرق کے سب بڑے اسلامی ملک انڈونیشیا کی زبان اگرچہ عربی اور فارسی نہین ہے لیکن وہان عربی کے بڑے اثرات ہین، خصوصًا جاوا اور سماٹرا مین تو عربی کا بڑا اثر ہے، اسی کے ساتھ ہندی اور سنسکرت کا بھی اثر ہے، اس لئے اردو زبان کے لئے بھی یکسر اجنبی نہین ہے، اس کے علاوہ پاکستان و ہندوستان کی زبان سمجھے جانے کی وجہ سے خاص وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، اور انڈونیشیا کی آزادی کے بعد وہان اردو کے اثرات اور بڑھتے جائین گے، اس لئے سیاسی حیثیت سے بھی اردو کی بڑی اہمیت ہے، غرض اس کی جس حیثیت پر بھی نگاہ ڈالی جائے، وہ ایک نہایت اہم ترقی یافتہ اور بین الاقوامی زبان ہے، اسلئے اس کو باقی رکھنا اور ترقی دینا نہ صرف ہر ہندوستانی بلکہ ہر علم دوست کا علمی فرض ہے،

اس مقالہ مین اردو کی اہمیت کے جو پہلو دکھائے گئے ہین، وہ درحقیقت اس کا ایک نامکمل خاکہ ہین، اگر کوئی صاحب علم ہمت کرین تو اس خاکہ مین رنگ بھر کر اردو کا ایک نہایت دلکش مرقع تیار کیا جا سکتا ہے، اور اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے،

عہد حاضر کے عمرانی اور اجتماعی تقاضے

اور

مطالعۂ سیرت نبویہ طیبہ

از

جناب مولانا حیدر زمان صاحب صدیقی

گردِ تو گردد حریم کائنات   از تو خواہم یک نگاہِ التفات

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی   کشتی و دریا و طوفانم توئی

جہان ظلمت و تاریکی انتہائی درجہ کی وحشت انگیز، گہری اور وسعت گیر ہو، وہان ایسی تابناک روشنی کی ضرورت محسوس کیجاتی ہے جس کی شعاعین حدود نا آشنا، تیز اور شفاف ہون، مرض جتنا پیچیدہ اور مہلک ہو، اتنا ہی اس بات کا شعور و احساس زیادہ ہوتا ہے کہ اس کے علاج کے لئے کسی کہنہ مشق اور عظیم المرتبت طبیب کی خدمات حاصل کیجائین، مشکلات جتنی روح فرسا، اضطراب انگیز اور ہمہ گیر ہون، اُن کے ازالہ و دفاع کی سعی و کوشش بھی اسی قدر موثر، دور رس اور وسعت آشنا ہونی چاہئے، جب دریا کی موجون مین قیامت خیز تلاطم بپا ہو، اور ساتھ ہی ہوائے مخالف کے تیز و تند جھونکے پوری شدت سے ناؤ کو پیچھے کی جانب ڈھکیل رہے ہون، تو ایسی حالت مین ایک اعلیٰ درجہ کا تربیت یافتہ اور آزمودہ کار ناخدا ہی کشتی کو صحیح سالم پار لگا سکتا ہے،

تاریخ انسانی کا یہ دور جس سے آج ہم گذر رہے ہین، تہذیبی، عمرانی اور تمدنی لحاظ سے اوس منزل

تک پہنچ چکا ہے کہ اس سے چند قدم آگے اہلِ دنیا کی عبرت انگیز تباہی کا ہیبت ناک منظر دکھائی دے رہا ہے، جہالت وغوایت اور ضلالت وشقاوت کی تیرہ و تار گھٹائیں کرۂ ارضی پر چھا گئی ہیں، اور فطرت کی بخشی ہوئی صلاحیتیں قلب ونظر کی تیرگی میں بالکل گم ہوگئی ہیں،

معمولی حالات میں یہ ممکن تھا کہ چراغ رہگذر کی دھیمی دھیمی شعاعوں ہی سے کام نکال لیا جاتا، لیکن جہاں ہر چہار سو تاریکی ہی تاریکی ہو (ظلمات بعضها فوق بعض) اور دنیا کی وسیع وعریض آبادی کے کسی ایک گوشہ میں بھی نور وضیا کی نمود باقی نہ رہ گئی ہو، اور پھر اس آفاق گیر تاریکی میں پوری انسانی آبادی کے کھو جانے کا خطرہ درپیش ہو تو اس حالت میں کسی معمولی روشنی سے کام نہیں چل سکتا، بلکہ اس کے لئے ایک عالمتاب روشنی "نور مبین" کی ضرورت ہے جس کی ضیا باریوں سے دنیا کا گوشہ گوشہ چمک اٹھے،

عناد و تعصب، فسق و معصیت، ہوا پرستی، حرص دولت، قوم و وطن کی عصبیت، قومی تاریخ، اور قومی جھنڈے کی پرستش کی قسم کی ہلاکت آفرین بیماریوں نے آج انسان کو نہایت بری طرح دبوچ لیا ہے، اور وقت کے تمام بڑے بڑے معالج اور مدعیان علم وحذاقت اُن کے علاج میں ناکام رہے ہیں، اس لئے اب ان مہلک بیماریوں کے علاج کے لئے بہرحال کسی ایسے تجربہ کار اور نامور طبیب کی جانب رجوع کرنا پڑیگا جو اس سے پہلے ایسی ہی بیماریوں کے علاج میں غیر فانی شہرت حاصل کر چکا ہے،

جسم انسانی کا کوئی ایک ہی حصہ اگر زخمی ہوتا، تو علم و دانش کے پھاہے سے اُس کے اندمال کی کوئی صورت ممکن ہوتی، لیکن جب پورا جسم بوسیدہ اور تار تار ہو چکا ہو اور اس میں زندگی کی ایک رمق بھی باقی نہ رہی ہو، تو ایسی حالت میں کسی مسیحا کی مسیحائی ہی اس کو از سر نو زندگی بخش سکتی ہے،

حیات انسانی کی عمارت میں اگر کوئی ایک ہی رخنہ ہوتا، تو شاید اُس کے بھرنے کی کوئی نہ کوئی سبیل نکل آتی، لیکن جب پوری عمارت ہی کھوکھلی اور زمین بوس ہو چکی ہو، تو اس صورت میں بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ اس کی تعمیر جدید کا کام کسی ماہر فن معمار کے سپرد کیا جائے،

تمدن جدید کی ہلاکت آفرینیوں نے انسانی زندگی کی کشتی کو خون آشام حوادث و مہالک کی طوفانی لہروں کے حوالہ کر دیا ہے، اور اب کوئی آزمودہ کار اور دانشمند ناخدا ہی اس کو نجات وکامرانی کے ساحل تک لے جا سکتا ہے،

ان استعاروں سے آپ یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ پوری انسانی تاریخ میں ایسی جامع الصفات، کامل تر اور ہمہ گیر شخصیت تنہا ایک ہی ہے، جس کی حیات طیبہ کو اقوام حاضرہ کے گوناگوں پیچیدہ مسائل کا واحد حل مان لینے سے انسانیت کو امن وسکون کی پائدار اور مسلسل زندگی میسر آسکتی ہے، لیکن قبل اس کے کہ ہم اس عظیم ترین شخصیت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، اجتماعی اور ملکی کارناموں کو زیر بحث لائیں، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضر کے عمرانی اور اجتماعی تقاضوں کا ایک مجمل خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ دور رسالت کے اہم انقلابی تغیرات کے مطالعہ کے بعد ہم یہ سمجھنے کے قابل ہو جائیں کہ آج بیسویں صدی میں انسانیت جس روگ سے بستر مرگ پر تڑپ رہی ہے، کیا اس کے لئے وہی دوا کافی ہو سکتی ہے، جو آج سے تیرہ سو سال پہلے کے بیمار انسان کو عین حالت نزع میں پلائی گئی تھی، اور اسی دوا نے حلق سے اُترتے ہی وہ حیرت انگیز اثر دکھایا تھا کہ بیمار نہ صرف خود تندرست و توانا ہو گیا تھا بلکہ اُس نے پوری انسانی دنیا کو سرچشمۂ زندگی سے سیراب کر دیا تھا؟

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ — اور تم بالکل آگ کے گڑھے کے کنارے
فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا — پر کھڑے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے تم کو
(بقرہ ۱۱) — اس سے بچا لیا،

اور آج سے بہت پہلے وادی بطحا سے جو صدائے عشق بلند ہوئی تھی، کیا اُس کی بازگشت آج بھی محفل کو گرمانے کے لئے کافی نہیں ہے؟

یک بار نالہ کردہ ام از درد اشتیاق — از شش جہت ہنوز صدا می توان شنید

ظاہر ہے کہ آج تک کسی اسکیم کے اصولی اور بنیادی مفاسد و اسقام کا شعور پیدا نہ ہو، اس وقت تک کسی متبادل سکیم کے حُسن و قبح کی پہچان اور اسکی ضرورت کا احساس ہی نہیں ہو سکتا، اس بنا پر یہ معلوم کرنا ضروری ہوا کہ جدید مغربی تمدن (جس کی آج ہر طرف پرستش کی جا رہی ہے) کے پیچھے کس قسم کے ذہنی عوامل کار فرما ہیں، اور کیا اس کے بنیادی اصول و اقدار کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے، اور اُن کو جون کا تون باقی رکھتے ہوئے تمدن جدید کی ہلاکت آفرینیون کو کم یا ختم کیا جا سکتا ہے؟ اگر یہ ممکن نہین تو پھر یہ دریافت کرنا بھی ناگزیر ہے کہ تمدنِ جدید کے اصولی اور بنیادی سقم کی نوعیت کیا ہے؟ یہ نوعیت معلوم ہونے کے بعد اگر کسی ایسے نظام تمدن کی نشان دہی کی جائے، جو اصولی، منطقی، اور واقعاتی طور پر اس سقم سے بالکل پاک ہو تو اس وقت اُس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے،

زمانۂ حال کے عمرانی و تمدنی مفاسد

دنیا مین جتنے واقعات کا ظہور ہوتا ہے بظاہر ہر واقعہ تنہا اور منفرد معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت ہر نیا واقعہ سلسلۂ واقعات کی آخری کڑی ہوتا ہے، اور ان واقعات مین علت و معلول کا غیر محسوس اور معنوی تعلق موجود ہوتا ہے، مثلاً جب کسی آبادی مین وبا پھوٹتی اور پھیلتی ہے، تو وہ یک بخت اور ناگہان زمین سے نہیں اُبل پڑتی، بلکہ اُس کے اسباب مدتون پہلے اس زمین مین پرورش پا رہے ہوتے ہین، اور وبا کا ظہور اُن کا طبعی نتیجہ ہوتا ہے، جب پت جھڑ کے موسم مین ہرے ہرے درختون کی شاخین اپنے سبز لباس سے محروم ہو جاتی ہین، سبزہ و گُل کی بہار لٹ جاتی ہے، اور باغ و چمن کا حُسنِ دلفریب آناً فاناً مرجھا جاتا ہے، تو یہ محض اتفاقی حادثہ نہین ہوتا، بلکہ یہ قدرتی اور طبعی نتیجہ ہوتا ہے موسمی تغیرات کا! دور جانے کی ضرورت نہین خود انسان کی زندگی کے مختلف مراحل پر نگاہ ڈالئے، ابتدا، مین وہ نہایت نحیف اور ننھا سا وجود لے کر آتا ہے، اور پھر بتدریج قوت و تنومندی اور نشو و کمال کی طرف حرکت کرتا رہتا ہے، لیکن جون ہی وہ کمالِ وجود کی آخری منزل کو پہنچتا ہے تو غیر محسوس طریقہ سے اُس مین ضعف و اضمحلال کے آثار پیدا ہونے لگتے ہین، یہ تغیرات

جو ہر انسانی جسم پر طاری ہوتے ہین، از خود نہین پیدا ہو جاتے، بلکہ اُن کا تعلق جسم کے ایک داخلی نظام سے ہے اور فطرت کے اس مخفی نظام مین ہر لمحہ نشو و ارتقا اور ضعف و تنزل کی قوتین کار فرما رہتی ہین،

موجودہ تہذیب و تمدن کے مفاسد بالکل عیان ہین، اور ہر دانشمند انسان کو اُنکی ہیبت ناکیون کی نسبت اسی طرح کا یقین اور قطعی علم حاصل ہے، جیسا کہ عین نصف النہار کے وقت سورج کی تیز و تابناک شعاعون کا، لیکن ایسی حقیقت شناس نگاہین بہت کمیاب ہین، جو ظاہری اور سطحی مفاسد سے گذر کر اصل سرچشمۂ فساد کو پا سکین، اور سلسلۂ واقعات و اسباب کی بنا پر ایک ایک کڑی کا جائزہ لے سکین، بلکہ انسانی علم و دانش سے اس بات کی توقع رکھنا ہی سراسر حماقت ہو کہ اُس کی رفتار تخیل اور پرواز نظر پردہ ہائے مجاز کو چاک کر کے تجلیہائے حقیقت و معنی کو بے نقاب کرے، اس لئے کہ انسان تو خود ہی اپنے گرد اغراض و مصالح کی آہنی دیوارین کھڑی کر دیتا ہے اور اُس کی نگاہ خواہ کتنی ہی تیز بین ہو مگر اس چار دیواری سے باہر نہین جا سکتی، یہ کام صرف نگاہِ جہان بین ہی کر سکتی ہے لیکن نورِ نبوت اور پیغمبرانہ بصیرت کے سوا ہمہ بینی کا جوہر ملتا ہی کہان ہے، ع

کجا نگاہ کہ برندہ تر ز پولاد است؟

عصرِ حاضر کے اہلِ علم و نظر مین سے جن لوگون نے اسبابِ فساد کے تفحص کی سعی و کوشش کی ہے، وہ زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کر سکتے ہین کہ زندگی کے تمام گوشون مین سے جو گوشہ اُن کو زیادہ تاریک اور بھیانک نظر آیا، اسی کو دوسرے گوشون کی ویرانی کا باعث قرار دے دیا، جب دنیا مین ہر طرف ملوکیت و شاہی کا رواج تھا، تو اس دور کے اربابِ فکر و نظر نے یہ خیال کیا کہ انسانی زندگی کی پریشان حالی کا سبب یہ ہے کہ شخصِ واحد کو اقتدار کا ماخذ مان لیا گیا ہے اور ملک کے عوام جو حقیقت مین منبعِ اقتدار ہین بے دست و پا کر دیئے گئے ہین، اس تخیل نے جمہوریت و عمومیت کو جنم دیا، اور اب سمجھ لیا گیا کہ وہ مرض تھا، اور یہ اس کا علاج ہے، مگر یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ علاج نہین بلکہ خواب آور

انجکشن ہے، چنانچہ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد کچھ طبقون نے یہ محسوس کیا کہ یہ تو وہی حلقہ ہاے زنجیر ہین، جو پہلے زنگ آلود تھے، اور اب اُن کو جس قدر خوشنما اور چمکدار بنا دیا گیا ہے، اسی قدر اُن کی گرفت سخت ہوگئی ہے، قدرِ حریت پہلے سے زیادہ پامال اور مضمحل ہو رہی ہے، پہلے پیٹ کر رو دیتے تھے، اور آہ و فغان سے دل کا بوجھ ہلکا کرلیا کرتے تھے، اور اب اگر منھ سے آواز نکالتے ہین، تو جھٹ کہدیا جاتا ہے کہ خبردار! یہ اپنی عوامی حکومت ہے، اب تم آزاد ہو، بلکہ قوت و اقتدار کا اصل منبع تم ہی ہو، اگر آواز نکالوگے تو غدار اور گردن زدنی تصور کئے جاؤگے، کیا یہ ہے حریت و آزادی اور جمہوریت و مساوات کہ منہ سے بولین تو زبان کاٹ لی جائے، اور آنسو بہائین تو آنکھین نکال لی جائین،

فیا للعجب ع

اے واے بہارے اگر این است بہارے

غرض جمہوریت جن بلند بانگ دعاوی کو لے کر اٹھی تھی، اُن مین وہ بُری طرح ناکام رہی، اور انسانون کے کچھ طبقون مین اس کا ردِ عمل فسطائیت (فیسی ازم) کی صورت مین ظاہر ہوا، اور کچھ دوسرے طبقون نے یہ محسوس کیا کہ یہ جمہوریت مغربی سرمایہ دارون کی ایک خطرناک چال ہے، پہلے کروڑون انسانون کی قسمت کی باگ ڈور ایک شخص کے ہاتھ مین تھی، اور اب ملک کے گنے چنے سرمایہ دار ہین، جو اپنے اثر و رسوخ اور سرمایہ و دولت کے بل بوتے پر ملک کی پوری آبادی پر مسلط ہو گئے ہین، اب اس نئی بیماری سے رہائی پانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ عوامی طبقون کی ہمہ گیر تنظیم سے سرمایہ داری کی لعنت کو ختم کیا جائے، اور دنیا مین مزدور کا راج قائم کیا جائے، لیکن جب ایک خطۂ ارضی مین یہ راج قائم ہوا، تو دنیا نے حیرانی سے دیکھا کہ یہ تو بدترین قسم کی چنگیزیت ہے جس کی گرفت جمہوریت سے بھی شدید تر ہے،

آپ نے دیکھا کہ گذشتہ چند صدیون مین انسانی مرض کی تشخیص کن کن طریقون سے کی گئی، اور پھر کیا کیا علاج تجویز ہوتے رہے؟ تشخیص سراسر غلط تھی، اور علاج اس سے بھی زیادہ غلط! جو منبع فساد تھا، اس تک کسی

کی نگاہ پہنچی ہی نہین، اور اس سے جو نتائج رونما ہوے وہ غیر متوقع نہ تھے، بلکہ فکر و عمل کا قدرتی اقتضا تھے، لہذا اب دیکھنا چاہئے کہ فساد کا حقیقی سرچشمہ کیا ہے؟ اور اس کے ازالہ و اصلاح کی کوشش کس نہج پر ہونی چاہیئے؟

فطرۃ اللہ کا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز اپنے مرکزِ وجود کے سوا ثبات و قرار نہین پاسکتی، ہم روز مرہ اس بات کا مشاہدہ کرتے ہین کہ جو چیز اپنے مرکز سے کٹ جاتی ہے، وہ یا تو بالکل فنا ہو جاتی ہے اور یا اپنی ہستی کی حقیقی قدر و قیمت (ویلیو) کھو بیٹھتی ہے، اور اس کا جوہرِ حیات پژمردہ اور بے رونق ہو جاتا ہے.

ایک دوسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ حیاتِ انسانی مفرد ہے یا مرکب؟ زندگی کا مفرد ہونا بدیہی طور پر غلط ہے، اور لامحالہ اس کو مرکب ہی ماننا پڑے گا، لیکن یہ بات پھر بھی غور و تامل کی محتاج ہے کہ حیاتِ اجتماعیۂ انسانیہ کے اجزاے ترکیبی کیا ہین؟ کیا صرف ان مشہود اور محسوس اجزا ہی سے اس کا وجود متحقق ہوتا ہے، یا اس کی حقیقت مین کچھ ذہنی اور تصوری اجزا بھی شامل ہین؟ غالباً کوئی عقلمند انسان اس بات کا منکر نہین ہے کہ حیاتِ اجتماعیہ صرف محسوس اور خارجی اجزا ہی کا مجموعہ نہین ہے، بلکہ اس کی حقیقت مین کچھ داخلی اور ذہنی اجزا بھی شامل ہین، ہان! اختلاف اس بات مین ہے، کہ وہ تصوری اجزا کیا ہین، اور اُن کا حقیقی مقام کیا ہے؟

اس تمہید سے اتنی بات ثابت ہوگئی ہے کہ حیاتِ انسانی کی حقیقت مین کچھ عقلی اور ذہنی اجزا بھی شامل ہین، لیکن وہ اجزا کیا ہین؟ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ وہ زندگی کی حقیقی اقدار اور انسانیت گیر اصولِ حیات کا اذعان و یقین ہے، اور یہ بات کہ ان اجزاے حیات کا حقیقی مقام و موقف کیا ہے؟ اس کا واضح تر جواب یہ ہے کہ ان تصوری اجزا اور کل (حیاتِ اجتماعیہ) مین وہی نسبت ہے، جو روح اور وجودِ شخصی مین ہے، یعنی جس طرح روح وجودِ شخصی کے ایک ایک ریشہ مین جاری و ساری رہتی ہے،

اسی طرح ان تصوری اجزاء کو حیاتِ اجتماعیہ کے ہر گوشہ میں کارفرما رہنا چاہیئے' دوسرے لفظون مین انسانی حیاتِ اجتماعیہ مین تصوری اجزاء کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اور جب تک ان مرکزی اجزاء کو اُن کے حقیقی مقام پر نہ رکھا جائے زندگی کا ربط و نظم اور تسلسل ہرگز قائم نہین رہ سکتا، اور حیاتِ اجتماعیہ اپنی حقیقی قدر و قیمت کھو بیٹھتی ہے،

تاریخ کے ہر دور مین زندگی کے بنیادی تصور مین افراط و تفریط موجود رہی ہے، کسی نے اصلاحِ نفس اور روحانیت کو اس درجہ اہمیت دی کہ دنیا کے کاروبار کو حقیر اور ناپاک سمجھ کر ٹھکرا دیا، اور کوئی زندگی کی بیرونی سطح کی نقش گیری مین اتنا منہمک ہوا کہ روح و نفس کے تقاضون کو پامال کر دیا، پہلے گروہ نے اپنے خود ساختہ مسلک کو رہبانیت اور یوگ سے موسوم کیا، اور اس نشہ آور تصورِ زندگی کو جب مسلمانون کے ایک طبقہ نے اپنایا، تو یہان آ کر اُس نے غلط تصوف کا لبادہ اوڑھ لیا، یعنی اس جامد و ساکن نظریۂ زندگی کے لئے بالکل غلط طور پر فقر اور تصوف کی مقدس اصطلاحین استعمال ہونے لگین، حالانکہ اس کو فقرِ صدیقؓ اور فقرِ بوترابؓ سے دور کی نسبت بھی نہ تھی، یہ سراپا حرکت و سعی اور جہد و عمل ہے، اور وہ حقائقِ ہستی سے فرار اور سکون پرستی کا دوسرا نام ہے،

سکون پرستی راہب سے فقر ہے بیزار

فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی

دوسرا گروہ جس نے زندگی کی تمدنی اور معاشی منصوبہ بندیون ہی کو اپنا کعبۂ مقصود قرار دیا اُس نے زندگی کے تصوری اور معنوی اجزاء سے کُلّی طور پر بے اعتنائی اختیار کی، اور اُن کی حیاتِ اجتماعیہ اپنے مرکز وجود سے کٹ کر پراگندگی کا شکار ہو گئی، چنانچہ آج ہم جس دور سے گذر رہے ہین اس مین فساد کی یہ دوسری قسم تمدن کے تمام گوشون پر چھا گئی ہے،

سوزِ او تا از میانِ سینہ رفت جوہرِ آئینہ از آئینہ رفت

حاصل یہ ہے کہ فطرت کی نگاہ مین یہ دونون گروہ غلط کار ہین کہ انھون نے زندگی کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے، اور دین و دنیا کی تفریق سے اُن کی حیاتِ اجتماعیہ مین خلا پیدا ہو گیا ہے اول الذکر گروہ نے یہ سمجھا کہ عزلت نشینی، دشت پیمائی قطع علائق اور ذکر و مراقبہ ہی سے نجات مل سکتی ہے، اور دنیاوی تعلقات اُخروی فلاح و کامرانی کی راہ مین سنگِ گران ہین، اور دوسرے گروہ نے زندگی کی حقیقی اور بنیادی قدرون (ریل ولیوز) کو اپنی جگہ سے ہٹا کر دور پھینک دیا، اور اُن کی جگہ آلی قدرون (انسٹرومنٹل ولیوز) کو رکھ دیا،

قرآن کریم نے ان گروہون کی غلط کارانہ روش پر سخت تنقید کی ہے، چنانچہ پہلے گروہ کی نسبت ارشاد فرمایا،

ورهبانية ابتدعوها ما كتبناها	اور رہبانیت جس کو انھون نے خود ہی ایجاد
عليهم الا ابتغاء رضوان الله	کیا، ہم نے اُن پر فرض نہین کی تھی، مگر انھون
فما رعوها حق رعايتها،	نے طلب رضائے الٰہی کے لئے اس کو از خود
(الحدید)	اختراع کیا، پس وہ اس کو پوری طرح نباہ نہ سکے

دوسرے گروہ کا طریقِ فکر و عمل چونکہ سراپا فساد و تخریب اور بغی و ضلالت پر مبنی تھا، اس لئے قرآن حکیم نے اس کو "سبیل المجرمین" سے موسوم کیا ہے،

وكذلك نفصل الآيات ولتستبين	اور اسی طرح ہم کھول کھول کر آیتین
سبيل المجرمين،	بیان کرتے ہین اور تاکہ مجرمین کی راہ عیان
(الانعام)	اور واضح ہو جائے،

نیز اس راہ پر چلنے والے قرآن کریم کی نظر مین سب سے زیادہ زیان کار ہین کہ انھون نے چند روزہ عارضی عیش و مسرت کے لئے عیش و دوام اور زندگی کی حقیقی مسرتون کو پسِ پشت ڈال دیا ہے

اور اُن کے فکر و عمل کی کج ادائیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن کی ہر کوشش رائیگان اور ہر عمل ضائع جاتا ہے،

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا، (الکهف)

اے نبی! آپ اُن لوگوں سے کہدیں کہ کیا ہم تم کو سب سے زیادہ زیان کار لوگوں کا حال بتائیں ؟ یہ وہ لوگ ہیں، جن کی کوششیں صرف دنیاوی زندگی میں گم ہوگئی ہیں، اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، پس اُن کے اعمال ضائع ہوگئے، پس ہم قائم نہ کریں گے قیامت کے دن اُن کے

بلکہ اُن کے اعمالِ زندگی اُن کے لئے قلق و بے چینی اور حسرت و افسوس کا ذریعہ بنیں گے،

كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ، (البقرة)

اسی طرح اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کو حسرت وندامت کی صورت میں اُن کو دکھائے گا، اور وہ آگ سے باہر نہیں نکل سکیں گے،

چونکہ توہم پرستوں کا یہ گروہ محض عقل و دانش اور ظن و تخمین سے زندگی کی گتھی سلجھانا چاہتا ہے، اس لئے قرآن کریم نہایت بلیغ انداز میں اُن کے اس طرزِ عمل پر طنز کرتا ہے،

فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ (النجم)

پس آپ اُس شخص سے کنارہ کشی کریں جو ہمارے ذکر سے پھر گیا ہو اور سوائے عیش دنیا کے کسی چیز کا خواہش مند نہیں اور یہی انتہا اُن کے علم کی

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ، (المومن)

پس جب اُن کے پاس اُن کے رسول واضح دلائل لے کر آئے، تو وہ اپنے علم و فن پر اترانے لگے،

نیز کتاب اللہ نے اُن کے خلافِ فطرت رجحان عمل اور شیرازۂ زندگی کو پارہ پارہ کرنے والی سعی و کوشش کو انسانی زندگی کے لئے شدید خطرہ قرار دیا ہے،

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ، (النحل)

کیا بے خوف ہوگئے ہیں وہ لوگ جو بری تدبیریں کرتے ہیں، اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو زمین کے اندر دھنسا دے، یا اُن پر اس جگہ سے عذاب آئے، جسے وہ پہلے سے نہیں جانتے، یا ان کو چلتے پھرتے پکڑلے، پس وہ خدا کو عاجز نہیں کرسکیں گے،

اور پھر قرآن حکیم اہلِ بصیرت کو ایسے اعمال سے بچنے کی تلقین کرتا ہے،

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا، (النحل)

اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے محنت و مشقت سے کاتے ہوئے سوت کو اپنے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا،

عہد حاضر کے حقیقی تقاضے

مذکورہ توضیحات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ زمانۂ حال کے عمرانی اور تمدنی مفاسد کی اصل بنیاد یہ ہو کہ سلسلۂ زندگی کے مرکزی حلقہ کے فقدان و عدم سے اس کے تمام حلقے اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر پراگندہ ہو گئے ہیں، اور اب ہماری زندگی کے حقیقی تقاضے یہ ہیں کہ ان مرکزی اجزاءِ زندگی یعنی مستقل اور قائم بالذات اقدارِ حیات کے گہرے اور محکم یقین و ایمان کی بنیادوں پر از سرِ نو حیاتِ اجتماعیہ کی عمارت کھڑی کی جائے،

اور زندگی کے ہر جزو کو اس کی اصل جگہ پر رکھا جائے۔

آج دنیا کی غفلت شعار قومیں حقیقت شناسی کے جوہر کے باوجود تہی دامن ہیں، اس بنا پر وہ فسادِ انسانیت کے حقیقی اسباب کی طلب و جستجو میں ناکام رہی ہیں، تاہم ان میں کچھ بالغ النظر محققین بھی موجود ہیں، جنھوں نے ایک حد تک سرچشمۂ فساد کی نشان دہی کی ہے، مثلاً لندن یونیورسٹی کے استاد تاریخ پروفیسر آرنلڈ ٹائن بی جنھوں نے کئی[2] تہذیبوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے، اپنے ایک مقالہ میں رقمطراز ہیں :-

"ہماری موجودہ علمی ترقی اُس دعوتِ مقابلہ کا تخلیقی جواب ہے، جو صنعتی اور حرفتی رجحان نے ہمیں عطا کی ہے، اور بلاشبہ ہمارا یہ جواب بہت کامیاب رہا ہے، لیکن جو مسائل آج درپیش ہیں اُن کا جواب کیمیاوی معملوں اور میکانکی تجربہ گاہوں میں نہیں ہے، یہ مسائل خالص اخلاقی نوعیت کے ہیں، اور ہمارے سائنسی علوم اخلاق سے بالکل تہی دامن ہیں"

یہ اعترافِ حقیقت ان لوگوں کی زبان سے یقیناً تعجب انگیز ہے، جنھوں نے گذشتہ چند صدیوں میں محض عقل و دانش کی مدد سے زندگی کے مسائل کو حل کرنا چاہا، اور آج بھی قومی حیثیت سے وہ اسی ہلاکت آفریں راہ پر گامزن ہیں لیکن ہمارا ایمان ہے کہ جوں جوں وقت گذرتا جائے گا، اُن کا احساسِ ناکامی قوی تر ہوتا جائے گا،

فسادِ انسانیت کے حقیقی سبب کی تحقیق و دریافت کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سبب فساد دیرینہ اور تاریخی نوعیت کا ہے، یا عصرِ نو کی نئی پیداوار ہے ؟ قرآنِ حکیم جو اس گنبدِ نیلگوں کے نیچے اسرارِ فطرت کا حقیقی ترجمان ہے اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں انسانی جماعتوں کا اصل مرض ایک ہی تھا، جو اُن کے صحت مندانہ ارتقار کی راہ میں حائل رہا، البتہ ہر نئے دور میں اُس کے عوارض کی نوعیت بدلتی رہی، اور اس وجہ سے اُس کے علاج کی سعی و کوشش بھی ہر دور میں بنیادی حیثیت سے یکسان

اور فروعی حیثیت سے تبدیل ہوتی رہی۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ	مقرر کیا اللہ نے تمھارے لئے وہ دین جس کے
نُوحًا وَالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا	قائم کرنے کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا، اور
وَصَّيْنَا بِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى	وہ جو وحی کی ہم نے آپ کی طرف اور وہ
وَعِيْسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا	جو حکم کیا ہم نے اس کے قائم کرنے کا ابراہیمؑ،
فِيْهِ،	موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو اس مضمون کے ساتھ کہ
(الشوریٰ)	تم دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو[1]

اور چھٹی صدی میں جب دنیا کے آخری اور کامل داعی حق کو اقوام عالم کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا، تو اس وقت بھی دنیا کی ہر قوم اسی مرض میں مبتلا تھی، الحاد و بے دینی، انتہائی اخلاقی پستی، سیاسی طوائف الملوکی، معاشی نامساوات، عدالتی اور معاشرتی امتیازات اور دیگر وہ تمام مفاسد موجود تھے، جو زمانۂ حال کی انسانی سوسائٹی میں جڑ پکڑ چکے ہیں، اور دنیا جانتی ہے کہ اس رہنمائے کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت قلیل عرصہ میں ان تمام اجتماعی اور اخلاقی مفاسد کا ازالہ کیا، اور ایک جدید ترین صالح نظام تمدن کو عملی طور پر نافذ کیا،

حقیقت یہ ہے کہ فسادِ انسانیت کے ازالہ و اصلاح کی یہ ایک درخشندہ اور تابناک مثال ہے، جو آج بھی انسانی دنیا کو دعوتِ فکر دے رہی ہے، کیا عہدِ حاضر کے علما و مفکرین انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لئے اس

---

[1] مجاہد جو جلیل القدر تابعی اور مفسر قرآن ہیں، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، اوصیناک یا محمد وایاہ دینا واحدا، اور حضرت ابن عباسؓ نے آیۃ "شرعۃ ومنہاجا" کی تفسیر سبیلاً وسنۃ سے کی ہے، اور صاحبِ توضیح ان تفسیری اقوال سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں،

علم من تفسیر مجاهد اتحاد دین الانبیاء فی الاصول ومن تفسیر ابن عباسؓ لقوله تعالی شرعة ومنهاجا اختلاف الفروع والسنن ۱۲،

دعوت کو قبول کرنے پر آمادہ ہین،

حق یہ ہے کہ جو لوگ اس راہ کی پیہم دشت نوردی سے چور چور ہو گئے ہین اور اس کے باوجود کامیابی کی تمام راہین اُن کو مسدود نظر آتی ہین، وہ صرف اس ذاتِ اقدسؐ کی حیاتِ طیبہ کے مطالعہ اور اُس کے اطلاعِ کامل ہی سے گوہرِ مقصود کو پا سکتے ہین،

لیس لنا الا الیک فرارنا — وأین فرار الناس الا الی الرسل

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ

سطور بالا سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ آج دنیا کو ایک ایسے نظامِ اجتماع و تمدن کی ضرورت ہے جس مین ذیل کی خصوصیتین موجود ہون،

۱- وہ ایک عالمی تصورِ زندگی اور احترامِ آدمیت کے گہرے احساس پر مبنی ہو، اور زندگی کے مختلف شعبون مین اعتدال و توازن قائم رکھ سکتا ہو،

۲- اس کا نظامِ سیاست ہر انسان کو اس کے بنیادی حقوق (فنڈامینٹل رائٹس) عطا کرتا ہو،

۳- اس کا نظامِ معیشت طبقاتِ انسانی کی معاشی نامساوات اور اُن کے نزاع و اختلاف کو مٹا سکتا ہو،

۴- اس کا بین المملکتی قانون (انٹرنیشنل لا) ہمہ گیر اصولِ انسانیت اور جذبۂ احترامِ انسانیت پر مبنی ہو،

۵- اس کا نظامِ عدل شریف و وضیع، شاہ و گدا، امیر و غریب اور اعلیٰ و ادنیٰ سے یکسان سلوک کرتا ہو،

۶- اس مین معاشرتی زندگی کے لئے ایسے قوانین موجود ہون، جن کی بنیاد اخوت و مساوات پر رکھی گئی ہو،

ان تقاضون کے پیش نظر ہمین انسانی تاریخ پر حقیقت پسندانہ نگاہ ڈالنی چاہئے کہ ماضی و حال کی تاریخ مین کوئی ایسی شخصیت ملتی ہے جس نے ایسے ہی پاکیزہ اور مقدس نظامِ اجتماع و تمدن کو عملاً

نافذ کیا ہو، جب ہم ماضی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہین تو بڑی بڑی مقدس اور اولوالعزم شخصیتون پر ہماری نگاہ پڑتی ہے، ان مین ایسی شخصیتین بھی ہین جنھون نے بڑے بڑے باجبروت حکمرانون اور مفسد و شریر الطبع عناصر کے خلاف مسلسل جہاد کیا، تقویٰ و طہارت، عفت و پاکدامنی، حلم و بردباری، زہد و ریاضت، ترکِ علائق، اور پاکیزہ اخلاق و سیرت کا سبق دیا، اور ایسے باہمت اور دلیر فاتح اور ذہین سیاست کار بھی ہین جنھون نے دنیا کی بڑی بڑی آبادیون کو تہ و بالا کیا، عظیم الشان اور پرہیبت مملکتین قائم کین، اور اپنی اعلیٰ سیاسی قابلیت اور بے نظیر حسنِ تدبیر سے حکومت کا نظم و نسق چلایا، اور کچھ ایسے نکتہ سنج اور بالغ النظر علماء و مفکرین ہین جنھون نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ فلسفیانہ نکات اور مسائلِ زندگی کو حل کرنے اور سیاسی انقلاب برپا کرنے کے لئے فضا ہموار کرنے مین صرف کیا،

پہلی قسم کی مقدس شخصیتون (جن مین حضرت مسیحؑ اور مہاتما بدھ ایسے بلند پایہ پیغمبر اور مصلح شامل ہین، جن کے پیرو آج بھی بہ کثرت دنیا مین موجود ہین) کی پاکیزہ اخلاقی تعلیم کی افادیت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ بلا شبہہ یہ انسانیت کا مقدس ترین ورثہ ہے، اور اس زمانہ کو کہین پہلے سے بھی زیادہ اسکی ضرورت ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس کے علاوہ انسانی زندگی کے کچھ دوسرے تقاضے بھی ہین، اور عصرِ حاضر کا انسان جن عملی مسائل سے دوچار ہے، وہ سیاسی، معاشی اور بین المملکتی مسائل ہین، اگر حضرت مسیح علیہ السلام اور مہاتما بدھ کی زندگیون کو ہم اپنا رہنما تسلیم کر لین، تو اُن سے کچھ اخلاقی مسائل کا حل تو ہمین ضرور مل جائے گا، لیکن کیا دوسرے عملی مسائل کو حل کرنے کے لئے ہم کسی دوسرے دروازہ پر بھیک مانگنے جائین گے ؟

اسی طرح دوسرے گروہ (جن مین سکندر اعظم اور نپولین ایسے باجبروت حکمران اور جلیل القدر فاتح اور روسو والٹیر کارل مارکس اور انجلز ایسے انقلابی مفکر ذکر خصوصی کے مستحق ہین) کی علمی اور عملی جد و جہد کو اگر آج اپنے لئے مثالی حیثیت دین، تو اس سے ہمین کیا ملے گا ؟ لادینی سیاست کا جبر و استبداد، انسانیت کش جنگجوئیت، قیامت خیز معرکہ ہائے جنگ، خطرناک، دہشت ناک اسلحہ، زہریلی گیسین، دھوئون کے محیط بادل، انسانی لاشون

کے انبار، بستیوں کی عالمگیر تباہی و ویرانی، انسانی خون کا سیلاب، عفت و طہارت اور اخلاق و شرافت کی پامالی اور عالمگیر شورش و بدامنی! لیکن دیکھنا یہ ہے کہ انسانیت کو آج ان چیزوں کی ضرورت ہے یا وہ ان چیزوں ہی کے ہاتھوں آج تڑپ تڑپ کر جان دے رہی ہو اور پھر انسان ان لوگوں کی پیروی کیوں کرے جنھوں نے اس کے لئے زندگی وبالِ دوش بنا دی ہے؟ ع دردے کہ طبیبم دہد آنرا چہ علاجے ؟

جب یہ تمام ہستیاں ہماری زندگی کے حقیقی مطالبات کی تکمیل سے قاصر ہیں، تو پھر انسانی تاریخ میں صرف ایک ہی ایسی مقدس شخصیت باقی رہ جاتی ہے، جس کی طرف ہماری نگاہیں بار بار اٹھتی ہیں، جو ہر حیثیت سے جامع الصفات ہے، اور جسکی ذات میں بیک وقت تمام فضائل اخلاق، علمی و عملی کمالات اور فقر و شاہی کے واردات بدرجۂ اتم موجود ہیں،

خسرو شمشیر و درویشی نگاہ　　این دو گوہر از محیط لا الٰہ
فقر و شاہی واردات مصطفیٰ است　　این تجلیہائے ذات مصطفیٰ است

جو لوگ اعلیٰ اخلاق، بلند سیرت، اور پاکیزہ کردار کا مکمل نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں، اُن کو اس حقیقت سے آگاہ رہنا چاہئے کہ مکارمِ اخلاق کے لئے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی سے زیادہ درخشندہ مثال اُن کو پوری انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملے گی، جب دنیا مہاتما بدھ اور حضرت مسیحؑ کے درسِ اخلاق کو بالکل فراموش کر چکی تھی، اور کرۂ ارضی پر کوئی ایسی قوم نہ تھی جو اپنے نجی اعمال یا ملکی و سیاسی معاملات میں کسی دستور اخلاق کی پابند ہو، ہر انسانی گروہ دوسرے گروہ کو درندوں کی طرح پھاڑ کھاتا تھا، قتل و سفاکی، غصب و نہب، شراب نوشی، عصمت فروشی، بد دیانتی، اور اس قسم کے دوسرے اعمال اُن کی نگاہ میں عیب نہ تھے، اور سطحِ ارضی پر بسنے والا ہر انسان اپنے اعمال و معاملات میں بے لگام تھا، اس بے راہ روی اور انتہائی اخلاقی تنزل کے بھیانک دور میں دنیا کے آخری اور کامل داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا، اور آپ نے زبان و عمل سے انسانوں کو مکارمِ اخلاق کا سبق دیا، اور آپ کی حیرت انگیز اور

موثر اخلاقی تعلیم نے ان کی کایا پلٹ دی، جو چور اور رہزن تھے، وہ نفس و اموال کے محافظ بن گئے، جو قاتل و سفاک تھے، وہ دنیا کو احترامِ آدمیت کا سبق دینے لگے، اور جو جھوٹے، فریب کار اور بد دیانت تھے، اب دنیا ان کی راست بازی اور دیانت و امانت پر رشک کرنے لگی، اور وہ اُن پاکیزہ صفات ہی کی بدولت کرۂ ارضی پر چھا گئے، کیا انسانی تاریخ میں ایسے انقلاب کی کوئی مثال مل سکتی ہے؟

حضرتِ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق نے دوست و دشمن سے خراجِ تحسین حاصل کیا، آپ کے شدید ترین دشمن بھی آپ کے خلوصِ نیت، مروت و احسان اور دیانت و امانت کے گرویدہ تھے، یہ لوگ اگرچہ قدم قدم پر آپ کی دعوت کی راہ میں روڑے اٹکاتے تھے، مگر آپ کی ذات پر کوئی حرف گیری نہ کر سکتے تھے، شاہ روم نے جب ابوسفیان سے آپ کی شخصی اور نجی سیرت کی نسبت سوال کیا، تو انھوں نے بے کم و کاست کہدیا کہ حضرت محمدؐ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں کہا اور نہ آپ نے سیاسی معاہدات کو کبھی توڑا، ابوسفیان کہتے ہیں :-

"اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ اس بھری مجلس میں میرے جھوٹ کی قلعی کھل جائے گی، تو میں ضرور آپ کی نسبت جھوٹ بولتا"[1]

اور ابوسفیان ایسے شخص کے لئے آپ کی ذات پر حرف گیری کے لئے اس سے بہتر موقع کب ہاتھ آسکتا تھا؟ اگر آپ کی ذات میں کوئی اخلاقی کمزوری ہوتی، تو وہ ضرور اس موقع پر اس کا اظہار کرتے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیم سے آپکے پیرو بھی پیکر صدق و امانت اور مجسمۂ اخلاق بن گئے تھے، اور سخت سے سخت دشمن بھی اُن کی پاکیزہ صفات کو سراہتے تھے، عیسائی لشکر حمص اور دمشق میں شکست کھا کر جب انطاکیہ پہنچا، تو شاہ روم نے کچھ با اثر اور مقتدر اصحاب کو دربار میں طلب کیا، اور اُن سے دریافت کیا کہ قوت و شوکت، دولت و مال اور تعداد کے لحاظ سے عرب تم سے بہت پسماندہ ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ تمھاری فوجیں ہر میدان

---

[1] بخاری

مین پٹ رہی ہین ؟ شرم کے مارے گردنین جھک گئین اور کسی سے جواب نہ بن پڑا، بالآخر ایک زیرک، اور تجربہ کار شخص اٹھا، اور کہا بات یہ ہے کہ عربون کے اخلاق ہمارے اخلاق سے بہت بہتر ہین، وہ راتین عبادت مین گذارتے اور دن کو روزہ رکھتے ہین، کسی پر ظلم نہین کرتے، اور آپس مین برابری کا سلوک کرتے ہین، اور ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہین، بدکاریان کرتے ہین، عہد و اقرار کی پابندی نہین کرتے، اور لوگون پر ظلم کرتے ہین، اس کا یہ اثر ہے کہ اُن کے ہر کام مین جوش و استقلال ہے، اور ہمارا ہر کام جوش و ہمت سے خالی ہے،

لائف آف محمدؐ کے مصنف سر ولیم میور اسلام اور پیغمبر اسلام کے مخالفین کی صفِ اول مین شامل ہین لیکن اُن کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا ہے،

"مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس مین پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی دوسرے مذہب مین نہین پایا جاتا"

ریورنڈ ڈبلیو اسٹیفین لکھتا ہے:-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستی کے منتشر افکار کے عوض خالص توحید کا عقیدہ قائم کیا، آپ نے لوگون کے اخلاقی معیار کو بلند کیا اور اُن کی تمدنی حالت کو ترقی دی"

اگر آپ کسی ایسے نظام تمدن کے متلاشی ہین، جو جہانی نظریۂ زندگی پر مبنی ہو، اور اس مین اپنی قوم اپنی تاریخ اپنے وطن اور اپنے جھنڈے کی پرستش کے لئے کوئی جگہ نہ ہو، بلکہ ہمہ گیر انسانی قدرون کی بنیادون پر اسکی عمارت کھڑی کی گئی ہو، تو اس مقصد کے لئے بھی آپ کو ایسی ذات والاصفات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا پڑے گا،

اسلامی تمدن مین یہ وصف نمایان حیثیت رکھتا ہے کہ اس کے ہر شعبہ مین خدا پرستی اور احترام آدمیت کی روح کارفرما ہے، اس وجہ سے اس کے تمام شعبے باہم مربوط ہین، اور اسکی ترتیب مین حیرت انگیز نظم و تسلسل پایا جاتا ہے، اس کے شعبۂ سیاست کو دیکھو تو اس مین بلا امتیاز قوم و وطن ہر انسان کے سیاسی

اور عمرانی حقوق کی حفاظت و نگرانی، اور تمام اقوام و ملل کی حریت ثقافت اور آزادی فکر کو ضروری قرار دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ مسیحی اقوام اپنے ہم مذہبون کی حکومت کی نسبت مسلمانون کی حکومت کو پسند کرتی تھین، اس سلسلہ مین آپ مسلمانون کی طرف سے کئے گئے سیاسی معاہدات پر نگاہ ڈالئے،

لا یغیّرون عن ملتهم ولا یحال بینهم وبین شرائعهم،[1]	ان کو ان کے عقیدہ و مذہب سے پھیرا نہین جائیگا، اور ان کو اپنی شریعت پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوگی،

اور آذربائیجان کے معاہدہ کے یہ الفاظ قابلِ غور ہین،

الامان علی انفسهم واموالهم و مللهم وشرائعهم،[2]	ان کی جانون اُن کے مال اور ملتون اور شریعتون پر معاہدۂ امن حاوی ہوگا،

اسی طرح اس کی بین الاقوامی سیاست اور قوانین صلح و جنگ کا یہ حال ہے کہ دشمنون کے اخلاق سوز اور خلافِ انسانیت اعمال کے مقابلہ مین بھی اس قسم کے شرمناک حرکات کے ارتکاب کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے، غیر مسلم اگر لوٹ مار کرین، عورتون اور بچون کو قتل کرین، مستورات کی عصمت دری کرین، مقتولین کو مثلہ کرین، بستیون اور فصلون کو جلائین، تو وہ ایسا کرتے پھرین لیکن اس مقدس نظریۂ زندگی کے ماننے والون سے کہدیا گیا ہے کہ تم انسانیت کے محافظ اور مکارم اخلاق کے معلم ہو، یہ حیا سوز حرکتین تمھارے منصب اماّمت اقوام کے سراسر منافی ہین، نحن احق بمکارم الاخلاق"

جہان زمانۂ حال کی طاغوتی فوجین ایک ہی حملہ مین لاکھون انسانون کی لاشون کے فرش بچھا دیتی ہین اور ہزارون بستیان ان کی وحشیانہ یلغار سے ویرانون مین تبدیل ہو جاتی ہین، وہان اسلام کے قانون صلح و جنگ کا یہ حال ہے کہ چند سالون مین بارہ لاکھ مربع میل علاقہ پر اسلامی پرچم لہرانے لگا، اور میدان جنگ مین

---

[1] اسد الغابہ [2] طبری،

ماری گئیں، لیکن مقتولین کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز نہ ہو سکی،

ع ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ فوج خالد بن الولید کی قیادت میں بنی جذیمہ کی طرف بھیجا انھوں نے جا کر اسلام کی دعوت دی، لیکن ان لوگوں نے قبول دعوت سے انکار کیا، اس پر حضرت خالدؓ نے کچھ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا، اور کچھ دوسروں کو گرفتار کیا، جب یہ معاملہ دربارِ نبوت میں پیش ہوا، تو آپ نے اس واقعہ پر سخت غم و غصہ کا اظہار فرمایا، اور بارگاہِ الٰہی میں اپنی برأت پیش کی،

اللھم انی ابرء الیک	اے اللہ میں خالد کے فعل سے بیزاری کا اظہار
مما صنع خالد[1]،	کرتا ہوں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعہدی کو شدید گناہ قرار دیا، اور زمانۂ رسالت و عہدِ خلافتِ راشدہ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ مسلمانوں کی طرف سے عہد شکنی کی گئی ہو، صلح حدیبیہ کے موقع پر جب ابوجندلؓ پا بہ زنجیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو مسلمان ان کی مظلومیت کو دیکھ کر تڑپ اٹھے، قریب تھا کہ تلواریں میان سے باہر نکل پڑتیں، لیکن رسولِ عربیؐ نے یہ سن کر سب کو خاموش کر دیا،

یا اباجندل اصبر و احتسب فانا	اے ابوجندل صبر کر و اجر و ثواب طلب کر
لا نغدر[2]،	کہ ہم بدعہدی نہیں کرتے،

اگر آپ اس قسم کی معاشی منصوبہ بندی چاہتے ہیں، جس سے آئے دن کے طبقاتی اختلافات مٹ جائیں، اور معاشی اونچ نیچ ختم ہو جائے تو ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ آپ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کریں کہ کس طرح آپ نے اتنی قلیل مدت میں ایک بڑی مملکت میں معاشی مساوات قائم کی اور امیر و غریب کے امتیاز کو مٹایا، اسلامی اصولِ معیشت آج بھی کتاب اللہ میں محفوظ ہیں، اور آپ سنجیدگی سے اُن کی افادیت

---

[1] بخاری [2] فتح الباری ج ۵،

کا عقلی جائزہ لیں، اور پھر فیصلہ کریں کہ کیا یہ اصولِ معیشت ہمارے جدید معاشی مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے؟

اگر آپ کسی ایسے نظامِ عدالت کے لئے بے چین ہیں، جو ہر حال میں عدل گستری کو لازم قرار دیتا ہو، اس حد تک کہ قریب سے قریب رشتہ و تعلق بھی عدل و انصاف سے برگشتہ نہ کر سکے، نیز وہ امیر و غریب اور شاہ و گدا میں کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھتا ہو، یہاں تک کہ رئیس الحکومت اور غیر مسلم شہری مساوی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہوں تو یقین جانئے کہ یہ گوہرِ مراد بھی آپ کو سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو پکڑ ہی سے ملے گا،

اگر آپ پرامن اور بے ضرر نظامِ معاشرت کے لئے بے قرار ہیں جس میں باپ بیٹے کا شفیق اور بیٹا باپ کا اطاعت گذار ہو، شوہر و بیوی میں پرخلوص تعلقات ہوں، بھائی بھائی کا خیر خواہ ہو، اور پڑوسی، پڑوسی کے دکھ درد میں شریک ہو، یہاں تک کہ پڑوس میں رہنے والے جان لیوا دشمن کی عیادت اور اس سے مروت و ہمدردی کا سلوک کرنے کی ہدایت کرتا ہو تو آپ خوب یاد رکھیں کہ یہ پاکیزہ آداب و معاشرت بھی آپ کو پیغمبرِ اسلام کی زندگی میں ملیں گے، فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً،

سیرۃ النبی جلد ششم

یہ اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ہے، اس میں پہلے اسلام میں اخلاق کی اہمیت بتائی گئی ہے، اور پھر اسلامی و اخلاقی تعلیمات اور فضائل و رذائل اور اسلامی آداب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے کہ اخلاقی معلم کی حیثیت سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پایہ کتنا اونچا ہے،

قیمت تقطیع بڑی للعہ؍ تقطیع چھوٹی قسم اول للعہ؍ قسم دوم عہ؍

"منیجر"

ہندوستان کا ایک مظلوم مولوی

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

(۳)

اور اب اس کتاب کے ان ہی دونون محمدی مسئلون یعنی گذشتہ آسمانی و مذہبی نوشتون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشنگوئیان جو پائی جاتی ہین، اور دنیا کے مستقبل کی تاریخ سے یاجوج و ماجوج کی قرآنی اصطلاحون کا جو تعلق ہے، ان ہی دو باتون کے متعلق ہم اپنے مظلوم مولوی کے خیالات و احساسات کو پیش کرنا چاہتے ہین،

پہلی بات یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گذشتہ کتابون مین جو تذکرے ملتے ہین، عرض کر چکا ہون کہ اس دعوی کا اعلان خود قرآن مین کیا گیا ہے، ارشاد فرمایا گیا ہے کہ النبی الامی کے ذکر کو وہ اپنے ہان تورات و انجیل مین لکھا ہوا پاتے ہین، (الاعراف) اسی لئے ابتدائے اسلام سے اہل علم کا ایک طبقہ اس قرآنی دعوی کے ثبوت مین تورات و انجیل مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشنگوئیون کو ڈھونڈھتا رہا ہے اور سچ پوچھئے تو تلاش و تحقیق کا سلسلہ اس راہ مین اب تک جاری ہے، اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو مظلوم مولوی کا یہ کوئی خاص کارنامہ نہین ہے، البتہ چند خاص تمہیدی مقدمات کے بعد یہ کہتے ہوے کہ عہد عتیق کے نام سے بائبل مین چالیس صحیفے جو انبیائے بنی اسرائیل کی طرف منسوب ہین، ان مین سے

"ہر ایک کتاب مین ہنوز بہ تصریح و اشارہ و کنایہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر موجود ہے" (مقدمہ ص ۱۰۷)

اور ان چالیس صحیفون ہی کی حد تک نہین، بلکہ عہد جدید کا مجموعہ جو انجیل کے نام سے موسوم ہے جن مین چھوٹی بڑی اکیس کتابین پائی جاتی ہین، ان مین بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کا تذکرہ کسی نہ کسی رنگ مین آج تک موجود ہے" مجموعی حیثیت سے ہمارے مظلوم مولوی کا یہ دعوی ایک ایسا دعوی ہے جو شاید اُن کی طرف سے پہلی دفعہ پیش کیا گیا ہے، اور جیسا کہ وہی کہتے ہین، اگر واقعہ کی یہی صورت ہو تو

"منصف مزاج باوجود قصد حصول ایمان کے اس قدر پیش گوئی دیکھے وہ مشرف باسلام بالضرور ہو" (ص ۸۰)

لیکن جن کتابون کا حال یہ ہو کہ ہر جدید اڈیشن مین ترمیم و تحریف کرنے والے ان مین مسلسل ترمیم و تحریف کے عادی ہون انہی کے متعلق غریب مظلوم مولوی کی ہنوز کے لفظ کے ساتھ یہ توقع کہ فلان فلان باتین اُن مین پائی جاتی ہین، بے جا توقع کے ساتھ اور کیا ہو، کنایے اور اشارے والی باتون کو جانے دیجئے اس قسم کی پیشنگوئیان مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب ایک کتاب جس کا نام غزل الغزلات یا تسبیحات سلیمان بھی ہے، اسی کا ذکر کرتے ہوے مظلوم مولوی نے لکھا ہے کہ اس کتاب کے

درس ہشتم سے ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع نام مبارک محمد و حلیہ شریف کے ساتھ ہے"

پھر اسی فصل کے مختلف فقرون کو نقل کرتے ہوے آخری فقرہ درس ۱۶ کے الفاظ انھون نے درج کئے ہین،

"اس کا منھ شیرین ہے، ہان سراپا محمد عظیم ہے، اے یروشلم کی بیٹیو! یہ ہے مرا پیارا مرا جانی"

اس اردو ترجمہ کے ساتھ اصل عبرانی زبان کا فقرہ جس کا مذکورہ بالا ترجمہ اردو زبان مین کیا گیا ہے مظلوم مولوی نے اس کو بھی بایں الفاظ نقل کیا ہے، یہ لکھ کر کہ

"چنانچہ اصل عبرانی درس ۱۶ یہ ہے"

وہی نقل کرتے ہین،

"ھکو ویکو نو محمّد یم"

محمد کے ساتھ یم کے حروف عبرانی عبارت مین جو پائے جاتے ہین، اس کے متعلق وہی لکھتے ہین کہ

"یم محمدیم مین گو کلمۂ مفید جمعیت ہو، لیکن یہان بے نظیر تعظیم ہے، جیسے الوہیم"

اور قرینہ یہ پیش کرتے ہین کہ

"حرف ربط بعد لفظ محمدیم کے واحد ہے، پس لابد ہے کہ لفظ یم تعظیم کے لئے ہو،" (ص ۱۲۵)

اسی طرح حضرت داؤدؑ کی طرف زبور نامی جو کتاب بائبل کے مجموعہ مین منسوب ہے، اس کے مزبور ۹۶ کا ذکر کرتے ہوئے مظلوم مولوی نے تیسرا درس اسی مزبور کا بایں الفاظ درج کیا ہے،

"امتون کے درمیان اس کے جلال کی، اور سارے خاندانون کے بیچ اس کے عجائب

قدرتون کو بیان کرو کیونکہ خداوند بزرگ اور

"محمد"

ہے"

پھر خود لکھتے ہین اسی اسم گرامی "محمد" کا لفظی ترجمہ اردو زبان مین

"ستایش کیا گیا"

درج کر دیا گیا ہے،

مظلوم مولوی کے زمانہ مین پھر بھی جو ترجمہ کیا گیا تھا، غنیمت تھا، اب تو ہم زبور مین اسی "محمد" کی جگہ

"نہایت ستایش کے لائق ہے"

کے الفاظ پاتے ہین، نام یا علم کا ترجمہ کر کے حقیقت کو ظاہر ہے کہ بآسانی دبا دیا جا سکتا ہے، اور یہی کرتب بائبل کے ترجمون مین پہلے بھی دکھایا گیا ہے اور آج تک دکھایا جا رہا ہے، جسے دیکھ دیکھ کر بے ساختہ قرآن کی آیت

ولا تزال تطلع علیٰ خائنۃٍ منھم اور تم ہمیشہ مطلع ہوتے رہو گے اہل کتاب

منھم، (مائدہ) کی خیانتون پر،

کی یاد تازہ ہو جاتی ہے[1]

اسی سلسلہ مین ہمارے مظلوم مولوی نے بائبل کی ان ہی کتابون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد اور ہجرت گاہ عرب کے جس قبیلہ سے آپ کا تعلق تھا، آپ کے آبا و اجداد تک کے اسماء و صفات الغرض اسی نوعیت کے بیسیون امور کا سراغ لگانے کی کوشش کی ہے، لیکن سب سے زیادہ جس چیز پر انھون نے زور دیا ہے، وہ النبی السعتی کا دعوی ہے، یہ بڑا طول طویل قصہ ہے، خلاصہ یہ ہے کہ دنیا ہی نہین، بلکہ دنیا مین انسانی نسل کی ابتداء و انتہاء کے متعلق اُن کا خیال جیسا کہ خود لکھتے ہین کہ

"وجود ایک لاکھ آدمون کا بقول شیخ محی الدین شیخ اکبر ثابت ہے،" (ص ۷)

اسی لئے اُن کے نزدیک

"بست لکھ سالہ سے اہل اسلام و اہل کتاب پر اعتراض نہین ہوتا جو علم بیالوجی سے حکماء حال ظاہر کرتے ہین"

مطلب ان کا وہی ہے جس کا ذکر شیخ اکبر نے اپنی کتاب فتوحات مین مختلف مقامات مین کیا ہے، مثلاً اسی کتاب کی پہلی جلد مین ایک موقعہ پر فرماتے ہین،

ولم یتحقق مبدء آدم وکم لہ	آدم کی ابتدا کب سے ہوئی، آج تک نہ
من السنین وکم بقی الی انقضاء	یہی متعین ہوا، اور نہ کوئی یہی کہہ سکتا ہو
الدنیا وفناء البشر عن ظھرھا	کہ کتنی مدت نسل انسانی پر گذری، اور دنیا
وانتقالھم الی الدار الآخرۃ و	کب فنا ہو گی، اور زمین کے کرہ سے منتقل
لیس ھذا ابدًا ھب الراسخین	ہو کر نسل انسانی دوسرے عالم (یعنی عالم

[1] اہل جستجو و تلاش کے لئے جہان تک میرا خیال ہے قرآن کی مذکورہ بالا اطلاع یعنی اہل کتاب کی خیانتون سے تم ہمیشہ آگاہ ہوتے رہو گے،

من علماء الحکماء وانما قال به شر ذمة لا یعتد بقولها،

(فتوحات جلد ا ص ۱۷۱)

آخرۃ) میں کب منتقل ہو گی، علما جو حکما ہیں اور علم میں جن کے قدم راسخ ہیں، اُن کے نزدیک کوئی معین جواب ان سوالوں کا نہیں ہے، خاص مدت ان امور کی صرف ایک مختصر گروہ کے نزدیک ہے، جن کا خیال قابلِ توجہ

الغرض عام نسلِ انسانی کے متعلق شیخ اکبر کے اس نظریہ کو تسلیم کرتے ہوئے مظلوم مولوی نے یہودیون کے اس خیال کو مان لیا ہے کہ آخری آدم جسے خدا نے زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا تھا، اُن کی پیدائش اس زمانہ مین ہوئی، جس کے حساب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ساتوین ہزارے یا ہزار ہفتم مین ہوا، اس مسئلہ پر انھون نے بائبل کے حوالون سے بڑی لمبی چوڑی بحثین کی ہین، اور اُن کا خیال ہے کہ دنون کے متعلق دنیا کی تمام قومون مین جو یہ حساب پایا جاتا ہے کہ بجائے کسی اور عدد کے پہلا مجموعہ دنون کا ہفتہ مان لیا گیا ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳) ایک بہترین اور کافی لذیذ موضوع وشغلہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، خاکسار نے شاید ۱۹۱۰ء سے بائبل کا مطالعہ شروع کیا ہے، اس محدود زمانہ مین بھی میرے بعض شخصی تجربات اس سلسلہ مین آدمی کو مبہوت بنانے کے لئے کافی ہین، تورات کی کتاب استثنا کی مشہور پیشگوئی جس مین سینا اور سعیر اور فاران کا ذکر ہے، اس مین برابر یہی پڑھتا رہا کہ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیون کے ساتھ (باب ۳۳) فاران یعنی مکہ کی پہاڑیون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار صحابیون کے ساتھ تشریف فرما ہوئے، صحابیون کی تعداد دس ہزار بخاری شریف کی حدیث مین بیان کی گئی ہے، مگر اسی استثنا کا ترجمہ جو ۱۹۳۵ء مین شائع ہوا ہے اسی مقام کو اٹھا کر دیکھا تو دس ہزار کی جگہ لاکھون قدسیون کے الفاظ ملے، رسول اللہ کے جد اعلیٰ حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم کے ذکر مین ہمیشہ کتاب پیدائش باب ۱۶ مین یہ الفاظ پائے جاتے تھے،

"وہ عربی ہوگا"

لیکن اب بجائے عربی کی جگہ وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا، ترجمہ چھپنے لگا ۱۹۳۵ء مین بھی یہی آخری الفاظ ہین، از بور فصل ۸۴ مین بکہ کے لفظ کیسا تھ مکہ کا ذکر کیا گیا تھا، لیکن بعینہ اسی بکہ کے لفظ کو زبور ہی کے دوسرے مجموعہ نسخون مین "وادی بقا" کبھی "وادی بکا" کی شکلون مین پایا، اور اسکی ایک طویل فہرست میرے پاس ہے، چند سالون کے اندر جس کتاب مین اتنی اہم تبدیلیان مسلسل کی گئی ہون اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نزولِ تورات کے عہد سے جس پر تخمیناً ساڑھے تین ہزار برس کا زمانہ گذر چکا ہے تحریفی اعجوبہ طرازیون کی کتنی طویل داستان اسکے متعلق تیار ہو سکتی ہے کاش اسی کو مطالعہ کا موضوع خاص بنا کر کام کرنے والے کام کرتے،

پس بقول اُن کے :-

"ہفتے کے سات روز، اور سات روز کی تعداد زمانِ آدم سے چلی آتی ہے،"

اسی لئے ساری نسل انسانی مین ایام کی یہ تقسیم عمومی طور پر پھیلی ہوئی ہے، اُن کا خیال ہے کہ اس کی وجہ یہی ہے کہ

"ساتوین ہزار مین حضور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز اس جہان کے ہوئے"، (ص ۱۰۰)

اپنے اسی نظریہ کو بنیاد بنا کر اور اسی کے ساتھ یہود کی قومی تاریخ مین چند جوہری انقلابات جو آئے یعنی بابل و نینوا کے فاتحون مین جن مین بخت نصر کا نام زیادہ مشہور ہے، انھون نے اس قوم کو تتر بتر کیا، پھر میدیا کے سلاطین نے دوبارہ فلسطین مین آباد ہونے کی آسانیان یہود کے لئے فراہم کین، اس کے بعد رومیون کے ہاتھون یہود دوبارہ برباد اور تباہ ہوئے، یروشلم اور سلیمان کے ہیکل پر بت پرستون کی طرح سے زیادتیان ہوئین، آخر مین رومیون کے ہاتھون سے ارضِ مقدس کو نکال کر مسلمانون نے پھر اس کے احترام وتقدس کو زندہ کیا، ان تاریخی واقعات کی روشنی مین بائبل کے قدیم وجدید صحیفون کے متون کو سلجھانے کی کوشش کی ہے جس سے "فمنا النبی الامی" کے زمانے کی پیشینگوئیان بھی مستنبط ہوئی ہین، اُن کی تفسیر کے مقدمہ کا یہ حصہ مستحق توجہ ہے، خصوصاً اُن لوگون کے لئے جو بائبل کے ساتھ ساتھ یہود کی تاریخ سے بھی دلچسپی رکھتے ہین، جہان تک میرا خیال ہے مظلوم مودی کی بائبل باتون کے ساتھ ساتھ اُن کو بعض رطب اور مفید چیزین بھی ہاتھ آئین گی،

کچھ بھی ہو، بائبل مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیون کا مسئلہ بذاتِ خود اُن کی کتاب کا کوئی خصوصی مسئلہ نہین ہے، ہمارے لوگون نے بھی اس پر بہت کچھ لکھا ہے، اور پچھلون نے بھی اس پر کام کیا ہے، لیکن انہی پیشینگوئیون کے سلسلہ مین جو خاص چیز اُن کی کتاب مین پائی جاتی ہے، گو کبھی کبھی بطور گرمی بزم لوگ اس کا بھی چرچا کرتے رہتے ہین، جہان تک میرا خیال ہے عوام تک اس قصے کے پہنچانے مین دوسرون کے

ساتھ زیادہ دخل ہمارے مظلوم ہی کی کتاب کو ہے، لیکن افسوس ہے امسئلہ جس توجہ اور اہمیت کا مستحق تھا، اس سے وہ پہلے بھی محروم رہا، اور آج تک اُس کی محرومی کا حال یہی ہے،

میرا مطلب یہ ہو کہ یون تو بطور خانہ پُری کے مظلوم مولوی نے یہی دعویٰ کر دیا ہے کہ دنیا کی تمام قومون کی مذہبی کتابون اور نوشتون مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس وقت تک پایا جاتا ہے، اس سلسلہ مین انھون نے مصر، یونان، روما، ایران وغیرہ قدیم ممالک کی قومون کا بھی نام لیا ہے، لیکن انصاف کی بات ہے کہ بجز دور از کار اشارون کے کوئی خاص چیز اُن کو نہین مل سکی ہے،

ایرانیون کے متعلق بھی ساسانیون کی طرف منسوبہ بعض تحریرون کا تذکرہ انھون نے کیا ہے، لیکن جہان تک میرا خیال ہے ان تحریرون کی تاریخی وثاقت بہت کچھ مشتبہ ہے، بلکہ ساسان کی طرف اُن کا انتساب بھی اس کو مشکوک و مشتبہ کر دینے کے لئے کافی ہے،

البتہ اسی سلسلہ مین ہندوستان کے قدیم نوشتون کا حوالہ دیتے ہوئے ہمارے مظلوم مولوی نے ایک سے زیادہ شہادتون کو اس ملک کی علمی و مذہبی زبان سنسکرت ہی کے الفاظ مین جو درج کیا ہے، اور ان ہی کے ساتھ جن باتون کا تذکرہ ہمین ان کی کتاب مین ملتا ہے، کچھ تو اس لئے کہ اُن کا تعلق ہمارے خاص وطن سے ہو، اور اس لئے بھی کہ اُن کی تحقیق و تفتیش کے ساز و سامان کی کمی نہین ہے، ان ہی خصوصیتون نے اُن کو کافی دلچسپ بنا دیا ہے، اس سلسلہ مین انھون نے جو کچھ لکھا ہے، سب کا نقل کرنا اور دہرانا تو دشوار ہو، تفصیل کے لئے تو مناسب ہوگا کہ اُن کی اصل کتاب کا مطالعہ کیا جائے، لیکن اُن کے لئے جو سنسکرت زبان اور اس کی کتابون سے تعلق رکھتے ہین، مین اُن کے کلام کا خلاصہ درج کرتا ہون،

غرض یہ ہو کہ جاننے والے بتائین کہ آخر جن چیزون کا تذکرہ ہمارے مظلوم مولوی نے کیا ہو، اُن کی تاریخی حیثیت کیا ہے، خود فقیر نہ سنسکرت ہی سے واقف ہے، اور نہ میری رائے اس باب مین نفیاً یا اثباتاً قابلِ قبول ہو سکتی ہے، حیثیت میری صرف ناقل کی ہے، چاہتا ہون کہ یہ بحث علمی و تحقیقی دائرے مین

لائی جائے، فالعہدۃ علی الراوی کہتے ہوئے اس داستان کو اہلِ علم کے حلقہ مین پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہون،

ہند کے قدیم نوشتون مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشنگوئیان

اس سلسلہ مین مولوی صاحب نے تین کتابون کا نام لیا ہے، جن مین پہلی کتاب تو وید ہی کا ایک حصہ ہے، ان کا بیان ہو کہ وید کی چوتھی کتاب جو اتھرون وید کے نام سے مشہور ہے، اور اب تک اتھرون وید کا کامل نسخہ طبع ہو کر شائع نہین ہوا ہے لیکن اُس کے قلمی نسخے مختلف کتب خانون مین ملتے ہین، وہی لکھتے ہین کہ، اتھرون وید کے اسی غیر مطبوعہ حصہ مین ایک عبارت پائی جاتی ہے، پھر انھون نے سنسکرت کے لغت کی دو مشہور کتابون کا حوالہ دیتے ہوے لکھا ہے کہ نام اتھرون وید کے اس حصہ کا "اللہ سکتہ" ہے، ان کے اپنے الفاظ مین:-

"واچپتی لغت سنسکرت کو "ال" کے لفظ کے ذیل مین اللہ سکتہ کو اتھرون وید کے سکتہ مشہور کر کے لکھا ہے اور لغت سنسکرت مسمی کلپ درم مصنفہ راجہ رادھا کانت دیو بہادر مین بھی اللہ سکتہ لکھی ہے" (ص ۱۸۹)

مطلب یہی ہوا کہ اتھرون وید کی یہ عبارت یا فقرون کا مجموعہ جو اللہ سکتہ کے نام سے موسوم و مشہور ہے اس کا ذکر سنسکرت کے لغت کی دو مطبوعہ کتابون مین کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ ایسا ہی جسکی تحقیق و تنقیح مین چاہئے تو یہی کہ کسی قسم کی کوئی دشواری پیش نہ آئے، سنسکرت کے عام کتب خانون مین لغت کی یہ دونون مطبوعہ کتابین بآسانی مل سکتی ہین، جن مین دیکھا جا سکتا ہے، اور پتہ چلایا جا سکتا ہے کہ مظلوم مولوی کی اطلاع کس حد تک واقعہ کے مطابق ہے،

بہرحال مولوی صاحب نے راجہ رادھا کانت بہادر کی کتاب کلپ درم کا حوالہ دیتے ہوئے خطِ نسخ (عربی خط) سنسکرت زبان کی اس عبارت کو درج کیا ہو، اُن کے مقدمہ کے بعض نسخون مین یہی عبارت سنسکرت حروف مین بھی نقل کی گئی ہے، پوری عبارت کا معائنہ تو اُن کی کتاب ہی مین کرنا چاہئے یہ دس شعرون

کی یہ ایک طویل نظم ہے، اردو ترجمہ بھی ہر شعر کے نیچے درج کرتے چلے گئے ہیں جن میں خالقِ کائنات کی تعریف بڑے بلیغ پیرائے میں کی گئی ہے' بظاہر اس نظم کے ہر شعر میں لام کے حروف کی کثرت نظر آتی ہے، اسی کے آخری شعر میں حروف کا ایک مجموعہ ہے، اصل سنسکرت سے، عرض کرچکا ہوں میں قطعاً ناآشنا ہوں لیکن خطِ نسخ میں وہی حروف جیسا کہ مولوی صاحب نے نقل کیا ہے، ان کی صورت یہ ہے '

"رَسُلَلہ مُحَمَّدَ رَہٗ کَبَرْ شَیَّ"

اعراب یعنی ان حروف پر زیر زبر پیش وغیرہ بھی مولوی صاحب کے لگائے ہوئے ہیں، اسی کے نیچے انھون نے اردو ترجمہ یہ درج کیا ہے :-

"رسول اللہ محمد زور آور کے نام سے جن کے برابر کا کون ہے"

مولوی صاحب نے راجہ رادھا کانٹ بہادر کی کتاب سے اسی کو نقل کرتے ہوئے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ اس کتاب میں اس کی تصریح بھی کی گئی ہے کہ

"یہ سکتہ اتھرون وید ہے"

اور یہ بھی لکھا ہے کہ کلپ درم کے مصنف نے اس قسم کا کوئی دعوی نہین کیا ہے، جس سے معلوم ہو کہ اُن کے نزدیک یہ جعلی اور بنائی ہوئی عبارت ہے، اگرچہ اعتراض نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں لیا جاسکتا کہ کلپ درم کے مصنف کو اس عبارت کے غیر جعلی ہونے کا یقین تھا، لیکن عام حالات کے لحاظ سے چاہئے تھا کہ علمائے سنسکرت کے نزدیک اگر یہ عبارت جعلی اور مصنوعی سمجھی جاتی تھی، تو اُس کی تصریح کر دیتے،

خیر یہ تو پہلی کتاب اتھرین وید کی عبارت کی داستان تھی، دوسری کتاب جس کا ذکر اسی سلسلہ میں مولوی صاحب نے کیا ہے وہ "اپنشد" کے سلسلہ کی ایک کتاب ہے، جیسا کہ معلوم ہے، وید سے کلامی، "صوفیانہ عقائد و خیالات جو پیدا کئے گئے ہیں، اُن ہی کی تعبیر "اپنشد" سے کی جاتی ہے، مولوی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ عموماً اپنشدون کی تعداد باؤن بتائی جاتی ہے، اور بعض ایک سو آٹھ بھی کہتے ہیں، پھر لکھکر کہ دارا شکوہ نے

فارسی زبان میں پچاس اپنشدون کا ترجمہ کرایا تھا، اُن اپنشدون میں تو ان کو یہ عبارت نہین ملی، اور نہ اس اپنشد ہی کا نام ملا، جس میں لوگون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی نشاندہی کی ہے، ان کا بیان ہے کہ "الوپ اپنشد" کے نام سے یہ اپنشد موسوم ہے، اور اس کا اقرار کرتے ہوئے کہ پروفیسر میکس مولر نے اپنشدون کی جو فہرست شائع کی ہے اس میں بھی "الوپ اپنشد" کا نام شریک نہین ہے، لیکن اسی کے ساتھ وہی لکھتے ہین کہ

"کلات فرانس کی فہرست کے کہیں میں لکھا ہے" (مقدمہ ص ۱۰۹)

یعنی اپنشدون کے نامون کی جو فہرست فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی ہے، اس میں "الوپ اپنشد" کا نام بھی پایا جاتا ہے، ان تفصیلات کا اقتضاء ہے کہ اپنی حد تک مولوی صاحب نے تحقیق و تفتیش میں پوری کوشش کی ہے، دارا شکوہ کے ترجمہ کرائے ہوئے اپنشدون کا بھی انھون نے مطالعہ کیا، میکس مولر نے سنسکرت زبان کی کتابون کی جو فہرست تیار کی تھی، اس میں بھی ڈھونڈھا، اور علماء فرانس کی شائع کردہ فہرست کا بھی معائنہ کیا تھا، اپنی ان کوششون کے بعد اسی "اپنشد" سے جس کا نام وہ الوپ اپنشد بتاتے ہین، اسی سے سنسکرت زبان کی ایک طویل عبارت خطِ نسخ میں مولوی صاحب نے نقل کی ہے، جس کی آخری سطر میں :-

"الو رسول محمد رہ کنبر شمر لی"

کے حروف بھی اُن کی نقل کردہ عبارت میں پائے جاتے ہین، انھون نے اتھرین وید والی عبارت کا تو ترجمہ بھی اردو میں کر دیا ہے، اور ہر حرف پر اعراب بھی لگے ہوئے ہین لیکن جس عبارت کو "الوپ اپنشد" کی طرف انھون نے منسوب کیا ہے نہ اس کا ترجمہ ہی کیا اور نہ اُن کے حروف پر زیر و زبر پیش وغیرہ پائے جاتے ہین، تاہم آخری سطر میں خطِ نسخ کی مذکورۂ بالا حروف کی شکل میں وہی الفاظ ہین، جو آپ کے سامنے پیش کر دیئے گئے، واللہ اَعْلَمُ بالصّواب اس فقرہ کا صحیح ترجمہ کیا ہوسکتا ہے، اتنی بات تو یقینی ہے

کہ خطِ نسخ مین حروف کی جن شکلون کو ہم یہان پا رہے ہین، اصل سنسکرت زبان کے حروف کی شکلین بھی یہی ہون یہ قطعاً غیر ضروری ہے! جہان تک مین جانتا ہون سنسکرت زبان مین عربی زبان کے حلقی حروف مثلاً ح ع وغیرہ شاید نہین پائے جاتے، ایسی صورت مین کون کہہ سکتا ہے کہ مثلاً "محمدؐ" کے تلفظ کی شکل سنسکرت زبان مین بھی یہی ہوگی ؟ اور اسی قسم کے اشتباہات دوسرے حروف کے متعلق بھی پیدا ہو سکتے ہین،

کچھ بھی ہو، اصل واقعہ کیا ہے اس کا جواب تو اہلِ تحقیق ہی دے سکتے ہین، لیکن اس کا بھی انکار نہین کیا جا سکتا کہ ہمارے مظلوم مولوی نے ان عبارتون کو صرف سُنی سنائی زبانی روایتون ہی کی بنا پر نقل نہین کر دیا ہے بلکہ اپنی بساط کے مطابق جتنی کاوش و کوشش سے وہ کام لے سکتے تھے، اس مین کوتاہی نہین کی ہے، سنسکرت زبان کی کتابون کی جو فہرست انگریزی اور فرانسیسی زبانون مین اُن کے زمانے مین شائع ہو چکی تھی اور بھی دوسرے طریقون سے وہ جو کچھ پتہ چلا سکتے تھے سب ہی سے کام لیا ہے، اب آیندہ نسلون کا کام ہے، کہ تلاش و جستجو کے سلسلہ کو جاری رکھین، اور آخری فیصلہ تک پہونچنے کی کوشش کرین ان کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورۂ بالا فقرون کے متعلق یہ شبہہ بھی کیا جاتا تھا کہ مسلمانون کے عہدِ حکومت مین یہ جعلی فقرے بنا کر ان کتابون مین شریک کر دیئے گئے ہین، واللہ اعلم کس ذریعے یہ خبر ان تک پہنچی تھی کہ

"راجہ ٹوڈرمل نے شیخ جیون قوم برہمن کو اللہ سکتہ پڑھتے سُنا تو تعصب مذہبی سے اودے پور کے راجہ کو لکھا کہ ایک شخص ایسی عبارت وید سے پڑھتا ہے جس مین لام بکثرت ہین، اس کا دفعیہ لازم ہے" (مقدمہ ص۱۰۹)

مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ راجہ ٹوڈرمل کی اسی تحریک کو بنیاد بنا کر یہ خیال پھیلا دیا گیا ہو گا کہ یہ جعلی عبارتین:-

"اکبر کے وقت بنائی گئی ہین،

جو آمین سکھون کے گرو بابا نانک شاہ کا حوالہ دیتے ہوئے مولوی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ

"اللہ سکتہ کی تسلیم نانک کو بھی تھی جو شاہان ترک دہلی کے اوائل مین قبل از زمانۂ اکبر جلال الدین سے زمانہ بابر مین ہوا ہے،" (مقدمہ ص ۱۰۹)

لیکن افسوس ہو کہ گرو نانک کے نہ اس کلام ہی کا ذکر مولوی صاحب نے کیا ہے، اور نہ اس کا پتہ دیا ہے کہ گرو نانک کے اس قول کو انھون نے کس کتاب مین پایا تھا،

یہ اور اس کے سوا دوسری بہت سی باتین ہین، جن کی وجہ سے مظلوم مولوی کا یہ دعویٰ تشنۂ تحقیق ہی نہین کہا جا سکتا کہ تحقیق سے کیا ثابت ہو، لیکن اتنی بات تو بہرحال سمجھ مین آتی ہے کہ مسلمانون پر ہندوؤن کے متعلق یہ الزام جو لگایا جاتا ہے کہ انھون نے ان کو ادنیٰ درجے کے وحشی بُت پرستون سے زیادہ اہمیت کبھی نہین دی، کم از کم اس الزام کے بے بنیاد ہونے کے دوسرے اسباب و وجوہ کے ساتھ ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اُن کی مذہبی اور دینی کتابون مین اپنے پیغمبرِ حق کے ذکر کو وہ تلاش کرتے رہے اسی طرح تلاش کرتے رہے، جیسے اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کی کتابون مین بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کو وہ ڈھونڈتے رہے ہین، جس کا مآل اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہندو دھرم اور برہمنی مت کی بھی اُن کی نگاہون مین تقریباً وہی اہمیت تھی، جو اہمیت اہلِ کتاب کے مذاہب و ادیان اور اُن کی دینی کتابون کی ہے، اور آسمانی صداقتون کی تلاش جیسے اہلِ کتاب کی کتابون مین وہ کرتے رہے ہین، ہندوستان پہونچکر یہی طرزِ عمل ہندوؤن کی دینی کتابون کے ساتھ بھی انھون نے اختیار کیا،

پس اصل مسئلہ یعنی ہندوؤن کے قدیم نوشتون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیان خواہ ملین یا نہ ملین، اور جن عبارتون کی نشاندہی مذکورۂ بالا کتابون مین کی گئی ہے، ان مین وہ عبارتین موجود ہون، یا موجود نہ ہون، یا موجود ہونے کے بعد یہ ثابت بھی ہو جائے کہ یہ الحاقی عبارتین ہین، ان

تمام امور سے قطع نظر بھی کر لیا جائے، پھر بھی یہی نتیجہ کیا کم قیمتی ہے کہ مسلمانون کی طرف منسوب کرنے والون نے ہندو مذہب کے متعلق جن بے جا اور بے بنیاد بدگمانیون کو منسوب کر دیا ہے، ان کا تو ازالہ ہو جاتا ہے، اتنی بات تو بہر حال ثابت ہو جاتی ہے کہ دنیا کے ادیان و مذاہب کے ساتھ توہین و تحقیر کا تعلق مسلمانون نے کبھی نہین رکھا، بلکہ جس احترام و اکرام کے جو مذاہب مستحق تھے، اپنے طرزِ عمل سے ہر ایک کے جائز استحقاق کا وہ اعتراف ہی کرتے رہے ہین، اگر ایسا نہ ہوتا تو ہندو مذہب کی کتابون مین اپنے پیغمبر کی پیشینگوئیون کا ان کے دل مین کیا خطرہ بھی گذر سکتا تھا ؟

بہرکیف ان دو کتابون کے سوا جن مین ایک کا تعلق ویدا سے اور دوسرے کا انپشدا سے ہے، مظلوم مولوی نے اس سلسلہ مین ہندو دھرم کی جس تیسری کتاب کا ذکر کیا ہے اس کا نام ہندوؤن کے ہان ذہی کہتے ہین کہ

"کلکی پران"

ہے،

یہ بتاتے ہوے کہ "ویدا" و "انپشدا" کے بعد ہندوؤن مین خاص قسم کی کتابون کے لکھنے کا رواج ہوا، جن کی عام تعبیر "پران" کے لفظ سے کی جاتی ہے، پھر "پرانون" کے سلسلہ کی کتابون کی تعداد بتاتے ہوئے مولوی صاحب لکھتے ہین کہ

"مخفی نہ رہے کہ ہنود کے کتب مین اٹھارہ پران جو زمانہ مختلف مین لکھے گئے ہین"

ان ہی اٹھارہ پرانون مین ان کا بیان ہے کہ ایک پران ہندوؤن مین کلکی پران کے نام سے موسوم ہے، جس مین وہ لکھتے ہین کہ "کلکی اوتار" کا تذکرہ ملتا ہے، افسوس ہے کہ جیسے انھون نے اتھروَن وید، اور الوپ انپشد سے اصل سنسکرت زبان کی عبارت خطِ نسخ مین نقل کی ہے، کلکی پران کی عبارتون کے ساتھ اپنے اس طرزِ عمل کو انھون نے جاری نہین رکھا، بلکہ نمبر وار اس کتاب کے فقرے اردو زبان مین ترجمہ کر کے درج

کرتے چلے گئے ہین، جو کچھ انھون نے لکھا ہے اس کا خلاصہ بھی ناظرین کے سامنے پیش کر دیتا ہون،

ان کا بیان ہے کہ اسی کتاب "کلکی پران" مین لکھا ہے کہ

"کلکی اوتار کلک و بت پرستی کو دور کرین گے"، (ص ۱۹۱)

گویا "کلکی اوتار" کو کلکی کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ بھی ہے کہ دنیا سے بُت پرستی کو وہ مٹا دین گے،

آگے وہی لکھتے ہین کہ اس کتاب مین "کلکی اوتار" کی پیدایش کا زائچہ درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"بارہوین چاندسدی ماہ بیساکھ مین نچھتر برشن باالب "نام کرن مین کلکی اوتار پیدا ہون گے"

مولوی صاحب کا بیان ہے کہ کلکی پران مین سنسکرت زبان کا یہ شعر جو پایا جاتا ہے،

دوادشی شام شکل پکشتی مامن مادھوم ہست وہی برشن جوگی کرنی بال ابھوے

انھون نے سنسکرت کے حروف کو خطِ نستعلیق مین لکھا ہے کہ اسی کی بجنسہٖ نقل مین نے اتار دی ہے، نہین کہہ سکتا کہ کس حد تک حروف اپنی شکل کے مطابق لکھے جا سکے ہین، بہرحال مولوی صاحب کا بیان ہے کہ زائچہ کی اردو عبارت کلکی پران کے اسی شعر کا ترجمہ اور خلاصہ ہے "واللہ اعلم بالصواب"،

ان امور کے ذکر کے بعد مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے روز بارہوین چاندسدی ماہ بیساکھ مین دو گھڑی دن چڑھے رونق افروز ہوئے"، (ص ۱۹۱)

"پھر کلکی اوتار" کا اپنے خاص طریقہ سے زائچہ کا جو نقشہ برہمنون نے کھینچا ہے اسی کی نقل بایں شکل مولوی صاحب نے درج کی ہے،

عطارد و مشتری ثور مین
زہرہ حوت مین
راس جوزا مین
آفتاب حمل مین
دلو
قمر سرطان مین
مریخ جدی مین
اسد
زحل میزان مین
ذنب قوس مین
سنبلہ
عقرب

اور یہ لکھتے ہوئے کہ

"اور زائچہ کتب ہنود مین جو لکھا ہے"،

"مطابق زائچہ ابو معشر (فلکی) کے ہے" (ص ۱۹۱)

جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانون کے مشہور ماہر فلکیات و نجوم ابو معشر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت کا جو زائچہ بنایا ہے، "کلکی اوتار" کی ولادت کا زائچہ بھی ہندوستان کے جوتشیون نے وہی تیار کیا تھا، مولوی صاحب نے آخر مین یہ بھی لکھدیا ہے کہ

"کسی صاحب کو اگر تردد واقع ہو، وہ اس وقت حساب کرلین کہ آفتاب و ماہتاب حساب کے ئے ہین، اُن کو حساب غلط نہین ہوتا،

ولادت کے وقت اس زائچہ کے سوا مولوی صاحب نے اسی کتاب "کلکی پران" کا حوالہ دیتے ہوئے بیان کیا ہے کہ علاوہ وحدت زائچہ کے "کلکی اوتار" کے متعلق حسب ذیل خصوصیتین اس کتاب مین بیان کی گئی ہین مثلاً،

کلکی پران مین لکھا ہے کہ

"کلکی اوتار کے والد کا نام وشنو یس ہوگا"۔

مولوی صاحب نے اس کو درج کرکے لکھا ہے:۔

"وشنو اللہ کو دیس عبد (بندہ) کو کہتے ہین، اور عبد اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام تھا"؛

اسی طرح وہی لکھتے ہین کہ کلکی اوتار کی

"والدہ ماجدہ کا نام سومتی لکھا ہے"؛

سومتی کے لفظ کا ترجمہ مولوی صاحب نے سنسکرت کے لغت کی کتاب کے حوالہ سے امانت دار بتایا ہے اور لکھا ہے کہ

"والدہ ماجدہ حضور صلی اللہ کا نام آمنہ ہے"؛

آگے وہی راوی ہین کہ کلکی اوتار کے متعلق کلکی پران مین بیان کیا گیا ہے کہ

"پہلے پہاڑ کے غار مین تپسیا یعنی عبادت کرین گے،

پھر خود لکھتے ہین کہ

"چنانچہ غار حرا مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کی،

اسی کتاب کلکی پران مین اُن ہی کے بیان کے مطابق یہ اطلاع بھی دی گئی ہے کہ

"وہ (کلکی اوتار) شمالی پہاڑون مین ہجرت کرین گے"

مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کا کوہستان جو مکہ معظمہ سے بجانب شمال واقع ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت بھی فرمائی ان ہی کا بیان ہے کہ اسی کتاب مین یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ کلکی اوتار

"پہاڑ کے کھوہ مین پرشرام سے تعلیم پاوین گے،

پرش رام کی تشریح کرتے ہوئے مولوی صاحب نے لکھا ہے،

"پرش یعنی روح رام یعنی خدا یعنی روح اللہ جبرئیل"،

اس سے مراد ہے،

یہ بھی اسی کتاب کلکی پران مین ہے کہ

"سواری کلکی اوتار کی ایسی ہوگی کہ جہان پر اس کی نظر پڑے وہین اس کا قدم پڑے"؛

مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ یہی صفت براق کی حدیث کی عام کتابون مین بیان کی گئی ہے

ایک خصوصیت "کلکی اوتار" کی کلکی پران مین یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ

"سارے اوتارون کو اچھا کہین گے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت "مصدقاً لما معکم" "مصدقاً لما بین یدیہ" یعنی تمام انبیا و رسل کی تصدیق

واحترام کا اعلان خود فرمایا، اور اپنی امت کو بھی سکھایا کہ "رسولون مین فرق نہ کرین" اور قرآن پر ایمان لانے کے ساتھ ان ساری کتابون کو مانین جو اس سے پہلے نازل ہوئین، ان ہی باتون کو پیش کر کے اس کا مصداق بھی آپ ہی کی ذات مبارک کو ٹھرایا ہے،

مین اس سے ناواقف ہون کہ کلکی پران اس وقت تک چھپ کر شائع بھی ہوئی ہے یا نہین؟ لیکن قلمی نسخے جہان تک مین نے سنا ہے سنسکرت کے بعض پرانے کتب خانون مین پائے جاتے ہین، جاننے والون سے چاہتا ہون کہ جن امور کی نشان دہی ہمارے مظلوم مولوی نے کی ہے، بتائین کہ واقعی اس کتاب مین وہ ملتے بھی ہین یا نہین، اور ملتے بھی ہون تو جن الفاظ کی لغوی تشریح مولوی صاحب کی ہے، ان کی یہ تشریح کس حد تک صحیح ہے،

بہرحال یون تو ظاہر ہے کہ مسلمانون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی جو تصدیق کی ہے اور اس پر ایمان لانے کی دولت سے جو وہ سرفراز ہین، اس مین اس قسم کی پیشگوئیون کو کوئی دخل نہین ہے "زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ گو نہ اس نوعیت کی چیزون سے ان کی ایمانی طمانیت و مسرت مین اضافہ ہو جائے، اسی طرح ہم نہ ماننے والون کو بھی مجبور نہین کر سکتے، خصوصاً جنھون نے طے ہی کر لیا ہے کہ جو سب کا "ساری بنی آدم کا آخری رسول ہے" اس کو مسلمان نامی قوم ہی کے رسول قرار دینے پر اصرار کرتے رہین گے، لیکن علمی حیثیت سے غالباً کوئی حرج نہین ہے کہ اس قسم کی مبہم مبہم باتین قومون مین جو مشہور ہین، یک سوئی کے ساتھ تحقیقی فیصلہ کر کے عوام کو اس سے آگاہ کر دیا جائے، میرا مقصد مظلوم مولوی کی کتاب کے اس حصہ کے نقل کرنے سے یہی ہے، واللہ ولی الامر والتوفیق،

باقی دنیا کے مستقبل کی تاریخ سے یاجوج و ماجوج کے قرآنی الفاظ کا جو تعلق ہے، اور اس سلسلہ مین ہمارے مظلوم مولوی نے جو کچھ لکھا ہے، انشاء اللہ آئندہ قسط مین ہم اس پر بحث کرین گے،

اقبال اور وائٹ ہیڈ

از

ڈاکٹر عشرت حسن انور، ایم اے، پی، ایچ ڈی، لکچرار فلسفہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ،

(۸)

اقبال وحدت اور کثرت کی گتھی کو سلجھانے مین قدیم صوفیہ کے طرز فکر یعنی اعیان ثابتہ کے کسی طرح حامی نظر نہین آتے، بلکہ بعض لحاظ سے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین، بجائے مؤید ہونے کے وہ اس طرز فکر کے مخالف معلوم ہوتے ہین، وہ خود اس وحدت اور کثرت کے سوال کو حل کرنے مین وائٹ ہیڈ کے بعض مخصوص نظریات کے مرہون منت ہین، ان نظریات کو وہ اس طرح بروے کار لاتے ہین کہ جس سے ایک طرف تو وحدت اور کثرت کی گتھی سلجھ جاتی ہے، دوسری طرف ان کا فلسفہ مولانا رومی کے اثرات کے تحت تکمیل کو پہنچ جاتا ہے، لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اقبال نے وائٹ ہیڈ کے فلسفہ کو بروے کار لانے مین اپنے ذاتی نظام فکر کے تحت اس کے مخصوص نظریات مین بھی کسی قدر تصرف کیا ہے، اور بجنسہ اس کی تقلید نہین کی ہے،

وائٹ ہیڈ خود برگسان[۵۱] اور ولیم جیمس سے بہت متاثر ہے جس کا اس نے کئی جگہ اعتراف کیا ہے[۵۲]

---

[۵۱] چونکہ خود ولیم جیمس جیسا کہ ہم اقبال اور ولیم جیمس کے موازنہ مین کہہ آئے ہین برگسان سے بنہایت متاثر ہے اس لئے بیجا نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ وائٹ ہیڈ کا تمام فلسفہ برگسان کے مخصوص نظریات کا ایک لازمی نتیجہ ہے [۵۲] سلسلۂ حقیقت Re-ality A Process پیش لفظ ص ۷،

برگساں نے جیسا کہ ہم اس سے قبل کہہ آئے ہیں تبدیلی، تغیر اور مسلسل انقلاب حالات کو وجدانِ ذات
کے ذریعہ ثابت کیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ اندرونِ سینہ کی زندگی کا جب وجدان میسر ہوتا ہے، تو ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ گویا ایک متلاطم، متغیر، متزلزل کیفیات اور حالات کا ایک متحرک سلسلہ ہے، جو نہ کہیں سے شروع
ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور نہ کہیں ختم ہی ہوتا ہوا نظر آتا ہے، اس وجدانِ ذات کے بعد برگساں نے اسی
انکشافِ ذات کو اپنے تخلیقی ارتقاء[1] کے نظریہ کا بنیادی اصول قرار دیا، اور ثابت کیا کہ ارتقا کے تمام زمانی
نظریات (جو ڈارون (Darwin، اسپنسر (Spencer. یا ویزمان (Weisman) یا لے مارک
(Lamarck. وغیرہ کے نام سے منسوب کئے گئے ہیں) حقیقت میں اصول ارتقا ہی کے قطعی منافی
ہیں، ارتقاء کا سب سے بڑا مفروضہ یہ ہے یا ہونا چاہئے کہ زندگی ایک سلسلۂ تغیرات ہے، جو کسی مقام پر
بھی منقطع نہیں ہوتا، یعنی ایک سلسلۂ انقلاب اور جنبش تغیرات اس طرح جاری و ساری ہے کہ کسی فرد یا
کسی جنس پر نظر جمانا قطعی ناممکن ہے، اس کو اس طرح سمجھئے کہ ڈارون کے قول کے مطابق انسان بندر
سے ارتقا پذیر ہوا ہے، لیکن نہ بندر ہی کسی ساکت، جامد اور غیر متغیر حقیقت یا ذات یا فرد کا نام ہے، اور نہ
انسان ہی کوئی ایسی ذات ہے، جو تغیر پذیر نہ ہوتی رہی ہو، یا نہ ہو رہی ہو، ایسی صورت میں سلسلۂ تغیرات
میں کسی مقام کو بندر یا انسان کے لفظ سے تعبیر کرنا سلسلۂ تغیرات اور انقلابات کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے
اس کے معنی یہ ہیں کہ گویا "بندر" یا "انسان" کوئی ڈھلی ڈھلائی غیر متغیر، اور غیر منقلب ذات ہے، جو شاید کچھ لمحات
کے لئے یا صرف ایک واحد لمحہ کے لئے تغیر پذیر نہ ہوگی، یا نہیں ہوتی، اور جس کا ایک غیر متحرک فوٹو لیا جا سکتا
ہے، اور جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ بندر ہے، اور یہ انسان ہے، اگر "بندر" لحظہ بہ لحظہ منقلب، متغیر اور متبدل
ہونے ہی کی بنا پر آخر کار منظر شہود پر بحیثیت انسان کے مرتفع ہو سکا ہے، تو پھر انسان کے مقام پر

لہ Creative Evolution لہ ہر ایک مقام کو چونکہ یہ بذاتہ متبدل و متغیر ہے مقام کے لفظ سے
تعبیر کرنا قطعی ناممکن ہے،

پہنچ کر سلسلۂ تغیرات اور انقلابات کو فراموش کر دینا کس قدر غلط ہے، انسان خود ایک مسلسل متغیر ذات ہے،
جب تغیرات حالات و کیفیات کہیں بھی منقطع نہیں ہوتے، اور برابر جاری ہیں، تو پھر اس سلسلۂ تغیرات کے
کس مقام پر (اور ہر ایک نام نہاد مقام خود متغیر ہے) انسان کا لفظ صادق ہوگا، یہ بتانا قطعی ناممکن ہے حقیقۃً
ہم کسی بھی مقام کا تصور کر لیں، لیکن وہ مقام خود متغیر ہونے کی بنا پر اس کا مستحق نہیں ہے، کہ اس پر انسان کے
لفظ کا اطلاق ہو سکے، چونکہ ہر ایک لفظ چاہے کتنا ہی جامع کیوں نہ ہو، متحرک سلسلۂ تغیرات کو غیر متحرک
اور منجمد کر دیتا ہے اس لئے تمام الفاظ اور تمام تصورات سلسلۂ تغیرات کے صرف ایک بے حد مختصر سے لمحہ کا تصور
ہمارے سامنے پیش کر سکتے ہیں، مگر اس سلسلۂ تغیرات کو جو دو لمحات بالفاظ دیگر دو کیفیات یا دو تعینات
کے مابین ہے، ظاہر کرنے سے قاصر ہیں،

فلسفۂ ارتقاء کے تمام حامیوں نے اس سلسلۂ تغیرات اور انقلابِ دوام اور حرکتِ تام کو قطعی نظر انداز
کر دیا، انھوں نے مختلف اجناس، مختلف افراد اور مختلف ارتقائی ہیئتوں صورتوں اور جسمانی مظاہروں
اور اعضاء و جوارح کی ساخت و پرداخت کے مطالعہ پر ہی کیوں قناعت کی مثلاً ڈارون یا لے مارک مختلف
حیوانات کا اس طرح ذکر کرتے ہیں، گویا مختلف حیوانات کوئی غیر متغیر، غیر متبدل اور ایک دوسرے سے غیر
منسلک افراد ہیں، حقیقت اس کے قطعی برعکس ہے، تمام افراد مسلسل تغیر اور تبدل کے حامل ہیں، ہر ایک
فرد ہر لحظہ متغیر اور منقلب ہے، افراد کی زندگی میں کوئی لمحہ بھی تغیر حالات و کیفیات سے خالی نہیں،
اس لئے ہر ایک جنس لحظہ بہ لحظہ ایک دوسری جنس میں متبدل ہو رہی ہے، ہاں یہ لحظہ بہ لحظہ کا تغیر نظر نہیں
آتا، اور محسوس نہیں ہوتا، بلکہ جب انقلاب اور تغیر بہت ہی معتد بہ اور نمایاں ہو جاتا ہے، جبھی ہم ایک جنس
کو دوسری جنس سے متمیز کر سکتے ہیں، اس سے پہلے نہیں کر سکتے، اس طرح برگساں کے نزدیک سلسلۂ ارتقاء
سلسلۂ تغیرات و انقلابات ہی کا دوسرا نام ہے، یہ سلسلۂ ارتقاء نہ کسی مخصوص جنس یا فرد پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، اور
نہ اسکی بنا پر کسی جنس یا فرد کو غیر متغیر اور غیر منقلب تصور کیا جا سکتا ہے، برگساں کے علاوہ ارتقا کے تمام دعویداروں

نے اصلی سلسلۂ ارتقاء یا بالفاظِ دیگر سلسلۂ تغیرات کو نظر انداز کرکے مختلف جنسوں اور مختلف افراد ہی کو جامد، ساکت، اور غیر متغیر تصور کرتے ہوئے، غیر حقیقی ارتقاء کے مطالعہ کو اپنے لئے مخصوص کیا ہے، مختلف جنسوں کی تخلیق جو ارتقاء کے بعض دعویداروں کا مخصوص موضوع ہے، دراصل نفس ارتقاء کا مطالعہ نہیں ہے، اور اس قسم کا مطالعہ سلسلۂ ارتقاء کو جو ازل سے جاری ہے، مختلف حصّوں اور درجوں (مراد جنسوں) میں تقسیم کر دینے کے مترادف ہے، لیکن مختلف افراد یا جنسوں کے مطالعہ سے کل سلسلۂ تغیرات تک جو فی نفسہٖ نفس ارتقا کا موجب اور حامل ہے، نہیں پہونچا جا سکتا، اور نہ ارتقاء اور اصل اصول ارتقاء کا ادراک نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ ارتقاء کا اصلی موجب تو سلسلۂ تغیرات ہے، یہی سلسلۂ تغیرات "زورِ زندگی"[ف۱] کے ہم معنی ہے، بھلا کون کہہ سکتا ہے، کہ کسی جنس کے حدود واقعی کہاں ختم ہوتے ہیں، اور کہاں سے دوسری جنس کا ذاتی اور انفرادی وجود شروع ہوتا ہے، اور نام نہاد ارتقاء کے حامی اُن لاتعداد جنسوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ایک جنس کے اختتام اور دوسری جنس کے آغاز کے مابین متصور کی جا سکتی ہیں، اور کسی زمانہ میں امر واقعہ کے طور پر ضرور موجود رہی ہوں گی، اس مخصوص نکتہ تک ارتقاء کے نام نہاد طرفداروں کی (بغیر کسی استثنیٰ کے) رسائی نہ ہو سکی، اس وجہ سے اُن کے تمام نام نہاد ارتقائی نظریات درحقیقت اصل ارتقاء کے منافی اور مخالف ہیں،

ولیم جیمس نے جیسا کہ ہم اس سے قبل کہہ آئے ہیں[ف۲]، برگساں کے اسی سلسلۂ تغیرات کے نظریہ کو بروئے کار لاکر یہ ثابت کیا کہ شعور انسانی خود کوئی جامد، ساکت اور ٹھوس حقیقت نہیں ہے[ف۳]، بلکہ خود ایک سلسلۂ تغیرات ہی کا دوسرا نام ہے، یہ کوئی مافوق الادراک، مافوق الاحساس، غیر متحرک اور غیر متبدل "شئے" نہیں ہے، بلکہ ایک مستقل سلسلۂ احساسات و تجربات کے ہم معنی ہے،

ف۱ Elan Vital، اس کو ہم شروع کے دو مقالوں میں واضح کر آئے ہیں ف۲ اقبال اور ولیم جیمس، معارف بابت نومبر ۱۹۵۱ء ف۳ انقلابی مضامین (Radical Essays) میں "کیا شعور انسانی کا وجود ہے" (Does con-scious ness Exist-) ملاحظہ ہو، ولیم جیمس کا یہ ایک تاریخی مقالہ ہے،

علم نفسیات نے اس سے قبل شعورِ انسانی کو ایک غیر مرئی، غیر متحرک، غیر متبدل، غیر منقلب اور غیر منقسم جزو کی حیثیت دے رکھی تھی، ولیم جیمس نے برگساں کے اثرات کے تحت یہ ثابت کیا کہ شعور انسانی کو دوسرے ماہرین نفسیات کی طرح کیفیات و احساسات کا حامل تصور کرنا غلط ہے، حامل کے لفظ سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ گویا شعور انسانی کا خود کوئی جامد اور مکانی یا ظرفی وجود ہے، جس میں کیفیات اور احساسات قیام پذیر ہیں، یہ عقیدہ سراسر غلط ہے، متزلزل، متحرک اور لحظہ بہ لحظہ منقلب کیفیات، احساسات اور تجربات ہی کو شعور انسانی کے لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے،

وائٹ ہیڈ نے دونوں مذکورۂ بالا حکماء کے نظریات کو اپنے حکیمانہ خیالات میں سموتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ ان انتہائی انقلابی نظریات کی رو سے تمام سائنسی علوم میں مذاق تجدید پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے[ف۱]، وائٹ ہیڈ کو یہ بات بہت تعجب انگیز معلوم ہوئی کہ برگساں کی حیرت انگیز تحقیقات کے باوجود سائنس بالخصوص علم موجودات (PHYSICS) اپنے دیرینہ نظریات پر ہی قائم ہے، اس لئے اس نے اپنے فلسفہ کی تعمیر میں سب سے پہلے مروجہ سائنس کی تردید کرنا ضروری سمجھا،

وائٹ ہیڈ کے خیال میں سائنس کا سب سے بڑا گمراہ کن نظریہ جامد اشیاء کا ہے، درحقیقت نفس الامر میں کوئی چیز، کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ وہ اس کے احول کے تناسب، توازن، تعلقات اور اثرات ہیں جو کسی "شئے" کو کوئی مخصوص "شئے" کہلانے کے ضامن ہیں، یہی اردگرد کے اثرات، تعلقات، احتمالات اور حوالہ جات کسی شئے کے وجود کو مختص، متعین اور محدود کرتے ہیں،

ف۱ وائٹ ہیڈ نے سائنس کی تردید بلاشک وشبہہ برگساں اور ولیم جیمس کے فلسفہ سے متاثر ہو کر کی ہے لیکن اس نے اس تردید کے پس منظر کو اس طرح واضح نہیں کیا ہے جس طرح ہم موضوع کو عام فہم بنانے اور سلسلۂ بیان قائم رکھنے کی غرض سے پیش کر رہے ہیں، وہ ان دونوں حکماء سے کس قدر متاثر ہے اور کس طرح متاثر ہے اس کے لئے اُس کی مایۂ ناز تصنیف سائنس اور جدید دنیا ملاحظہ ہو، (Science and The Modern world) ص ۱۸۳،۱۴۲ (برگساں کے لئے) ص ۱۷۷، ۱۸۲ (ولیم جیمس کے لئے)

لیکن اگر غور سے دیکھا جائے، تو کوئی شے بھی ان خارجی اثرات اور تعلقات سے غیر متعلق نہیں کی جاسکتی، لیکن سائنس بالخصوص علم طبیعیات (یعنی فزکس) مکانی طور پر اشیاء کے مقامات تجویز کرکے ہر ایک شے کو اس کے گرد کے ماحول سے منتخب کرکے اس کو تمام کائنات سے غیر متعلق، غیر منسلک اور غیر اثر پذیر خیال کرتا ہے، جو صریحاً غلط ہے، وائٹ ہیڈ کے نزدیک سائنس وجود مکانی کے حماقت آمیز مغالطہ میں مبتلا ہے[۵۱]، سائنس چونکہ تسلسل واقعات اور حالات کو منقسم اور غیر متحرک کرکے دیکھنے کی عادی ہے، اس لئے اس نے ہزار ہا قسم کے نفرت آمیز تضاد قائم کردیئے ہیں، مثلاً اس کے نزدیک مادہ شعور اور حیات کے منافی ہے[۵۲]، اس کے عقیدہ میں علت معلول سے غیر متعلق کرکے دیکھی جاسکتی ہے، اس کے خیال میں جوہر متعلقہ صفات سے علیحدہ کرکے تصور کیا جاسکتا ہے، اسی طرح اشیاء کو ماحول سے غیر متعلق کرکے خیال کیا جاتا ہے۔ وائٹ ہیڈ کے نزدیک یہ ایسی حماقتیں ہیں جن پر سائنس کو شرم آنی چاہیئے، اگر برگسان کا فلسفہ درست ہے[۵۳] تو اس قسم کی حد بندیاں نہایت مشکل ہیں، اور کائنات کی اس قسم کی تقسیم طلب حقیقت میں نہایت خطرناک اور گمراہ کن ہے،

فلسفہ کے لئے جو انکشاف حقیقت کا دعویدار ہے، یہ لازم ہے کہ تمام اشیاء کو (یہاں یہ لفظ تمام افراد پر بھی محیط ہے) تمام دوسری اشیاء سے متعلق اور منسلک تصور کرے، اس کے نزدیک ہر ایک شے تمام دیگر اشیاء میں کسی نہ کسی طرح سرایت کئے ہوئے ہے[۵۴]، کسی مخصوص شے یا فرد کو دیگر اشیاء، یا افراد سے غیر متعلق کرنا قطعی ناممکن ہے، اس بنا پر وائٹ ہیڈ تمام کائنات کو ایک واحد حیثیت محسوب کرکے اس کو انسانی جسم کی طرح حیات پرور اور فروغ آفرین ذات تصور کرتا ہے، جس طرح ہماری آپ کی ذات اگرچہ واحد ہے لیکن

---

[۵۱] Fallacy of Misplaced concreteness

[۵۲] یعنی Qualities اور Substance

[۵۳] سائنس اور جدید دنیا (Science and The Modern world) صفحات ۱۴۲، ۱۴۳

[۵۴] Complex Activity with internal Relations،

وہ گوناگوں اور بوقلموں کیفیات، حالات اور کثرت احساسات کی حامل ہے، اسی طرح وائٹ ہیڈ کے نزدیک عالم کائنات فی نفسہ ایک جسمانی وجود کی طرح کثرت حالات کا مرجع ہے، اور یہ کثرت افراد اور حالات ایک واحد سلسلۂ واقعات سے منسلک ہونے کی بنا پر ایک نظام تعینات سے متعلق ہیں، اور فرداً فرداً وہ کوئی اصلیت اور اہمیت نہیں رکھتے، اگر کوئی واقعہ[۵۵] ان اثرات خصوصیات اور واجبات سے فارغ کردیا جائے جن کا وہ عرف عام میں نتیجہ تصور کیا جاتا ہے، یا ان نتائج سے علیحدہ تصور کیا جائے جن کا وہ ظاہر بینوں کے نزدیک موجب قرار دیا جاسکتا ہے، تو بہت جلد معلوم ہوجائے گا، کہ کوئی واقعہ درحقیقت کوئی واقعہ نہیں ہے، بلکہ ہر ایک واقعہ (اور یہ لفظ وجود ذاتی پر بھی محیط ہے) تمام دیگر واقعات سے اس طرح منضبط، منسلک، اور متعلق ہے کہ اس کو فی نفسہ انفرادی حیثیت دینا محض حماقت ہے،

چنانچہ وائٹ ہیڈ کے نزدیک تمام موجودات (یعنی جو کچھ نظر آتا ہے) ایک لامتناہی سلسلۂ تغیرات[۵۶] حالات اور واقعات کا دوسرا نام ہے، ہر ایک "شے" (اگرچہ فی نفسہ اس نام کی کوئی بھی شے نہیں ہے) تمام عالم کائنات سے اس طرح متجانس، متواصل اور متماثل ہے کہ تمام عالم کو محض سلسلۂ تعینات حالات سمجھنا بیجا نہ ہوگا، اس طرح تمام کائنات نہ مادی ٹھہرتی ہے اور نہ غیر مادی، اور اس قسم کے تمام تضاد جن کی جانب ہم پہلے اشارہ کرآئے ہیں یکسر ختم ہوجاتے ہیں، کائنات کو فی نفسہ ایک مخصوص سلسلۂ واقعات تصور کرنے کے بعد نہ روح اور مادہ کا تضاد رہتا ہے، اور نہ جوہر اور عرض کے جھگڑے، ہی رونما ہوسکتے ہیں اسطرح

---

[۵۵] وائٹ ہیڈ نے اس کو "Organism" کے نام سے تعبیر کیا ہے، اور اسی وجہ سے اس کا فلسفہ "Philosophy of organism" کہلاتا ہے اقبال اس فلسفہ سے بہت متاثر ہیں، دیکھئے لکچرز صفحات: ۳۱، ۳۶، ۶۶، ۱۲۰ وغیرہ

[۵۶] وائٹ ہیڈ کے فلسفہ میں لفظ واقعہ کی ایک خاص اہمیت ہے، اس کے نزدیک اس کے معنی بہت وسیع ہیں، ہماری آپ کی ذات بھی ایک واقعہ کے طور پر ہے، جو مخصوص سلسلۂ واقعات سے منضبط ہوکر ظہور پذیر ہوئی ہے،

مادہ اور روح میں کوئی غیریت باقی نہیں رہتی، بلکہ دونوں سلسلۂ واقعات میں ضمنی تعینات متصور کئے جاتے ہیں،

یہ تعینات باری تعالیٰ نے محقق فرمائے ہیں، اور اسی کی نظر انتخاب نے کسی مخصوص واقعہ کو مخصوص واقعہ کے طور پر تجویز فرما دیا ہے، اس طرح تمام افراد اور تمام اشیاء من حیث الکل باری تعالیٰ ہی کے حسن انتخاب کا نتیجہ ہیں، موجودہ واقعاتِ عالم (یعنی جملہ کائنات) کے بجائے لاتعداد مختلف الوجود "واقعات" (یعنی تمام افراد و اشیاء) منصۂ شہود پر جلوہ نما ہو سکتے تھے، مگر باری تعالیٰ نے جو کچھ ہے" (یعنی جملہ موجودات) اسی کو حسن قبول عطا فرما کر منظر شہود پر جلوہ گر کیا ہے، اسی مخصوص کائنات اور اسی واحد موجودات کو رنگِ وجود کے لئے کیوں منتخب فرمایا گیا ہے، یہ کوئی نہیں بتا سکتا، چنانچہ باری تعالیٰ کا وجود تمام براہین، دلائل اور وجوہات کے ماوراء ہے، اور جہاں انسانی عقل و فکر کی پرواز ختم ہوتی ہے، وہاں سے اس کی تجلیات کا آغاز ہوتا ہے، گویا تردید عقل کا آخری مقام ہی باری تعالیٰ کے وجود کے مترادف ہے[1]

اقبال وائٹ ہیڈ کے مذکورۂ بالا نظام فکر سے بہت زیادہ متاثر ہیں، لیکن بعض جگہ انھوں نے کچھ ترمیم اور تنسیخ بھی کی ہے، اور اپنے انفرادی نظریات کے تحت وائٹ ہیڈ کی بعض تجاویز کو نئے معنی پہنائے ہیں، ذیل میں ہم ان مخصوص خیالات کا جائزہ لیتے ہیں، جن سے اقبال بغیر کسی ترمیم و اضافہ کے متاثر ہیں، پھر بعد میں ان خیالات کا ذکر کریں گے، جن میں انھوں نے ترمیمیں کیں، پھر ان ترمیمات کو پیش کریں گے جن کی رو سے وہ وائٹ ہیڈ سے کہیں آگے بڑھ گئے ہیں،

۱- اقبال وائٹ ہیڈ کے سلسلۂ تغیرات (جو برگسان سے ماخوذ ہے) کے پرزور حامی ہیں، اس کو

---

[1] وائٹ ہیڈ نے باری تعالیٰ کے وجود کو (Ultimate Ir Rationality کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، دیکھئے سائنس اور جدید دنیا) (Science and The moderon-world) ایک اور جگہ Ultimate Limitation) کہا ہے، ایضاً ص ۲۲۱

ہم اقبال اور برگسان کے موازنہ میں مفصل بیان کر آئے ہیں،[1]

۲- اقبال بھی وائٹ ہیڈ کی طرح اسی کے مدعی ہیں کہ برگسان کے فلسفہ کی روشنی میں سائنس کے نظریات پر از سر نو غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے، اور مروجہ فنون ایک نئی تشکیل کے محتاج ہیں،[2]

۳- وائٹ ہیڈ کی طرح وہ بھی اس بات کے مدعی ہیں کہ اگر سلسلۂ تغیرات ایک لامتناہی اور غیر منقسم تسلسل ہے، تو مادیت یکسر غیر حقیقی تصور کی جائیگی، مادیت کا اقرار صرف اس وقت لازم آتا ہے جب سلسلۂ تغیرات یا بالفاظِ دیگر تسلسل کائنات میں تعینات مقرر کئے جائیں، یہ تعینات مقرر کرنا ہماری "عقل تجزیہ پا" کا کام ہے، اگر ہم کو کائنات کا من حیث الکل وجدان میسر ہو جائے، تو مادیت کے اقرار کی کہیں بھی گنجائش باقی نہیں رہتی،[3]

اقبال نے اپنے اس دعوی کی تائید میں بعض مشہور سائنسدانوں اور حکماء کے مخصوص نظریات کو بھی پیش کیا ہے، جن کی تفصیل ہم بوجہ اختصار یہاں پیش کرنے سے قاصر ہیں، مثلاً وہ آئن سٹائن (EINSTEIN) کے چوتھی سمت (FOURTH DIMENSION) کے نظریہ، کینٹر (CANTOR) کے حسابی سلسلۂ تناسب

---

[1] اقبال اور برگسان معارف بابت ماہ مئی ۱۹۵۱ء [2] لکچرز (دیباچہ (ص ۷) اور ص ۳۹، اگر غور سے دیکھا جائے تو اقبال کے تمام لکچرز اسی خیال کی وضاحت میں ہیں، ان سب کا اصل موضوع یہی ہے، کہ مروجہ علوم و فنون کی نئی تشکیل کن بنیادی اصولوں پر ہونی چاہئے، اسی سعی میں وائٹ ہیڈ کے اثرات ان پر بجید نمایاں ہیں،

[3] اس دعوی میں ایک روسی حکیم اوس پنسکی (Ouspensky) کا "کائناتی وجدان" (Cosmic Consciousness) کا نہایت اہم نظریہ بھی معاون ہے، مادہ پرست ماحول میں مادیت کی تردید میں اس قسم کا نظریہ پیش کرنے میں اس روسی مفکر نے نہ صرف عالمانہ تجربے کام لیا ہے بلکہ بڑی جسارت علوئے ہمت، اور بلند ذوق علم و عرفان کا بھی ثبوت دیا ہے، دیکھئے ٹرٹی ام ارگنم (Tertium Organum) صفحہ ۲۰۷

(Principle of continuity) کے عقیدہ، پلینک (Planck) کا ذرات کے
غیر مسلسل مظاہرہ (Theory of Quanta) کا قانون، اوس پینسکی (Ouspensky)
کے کائناتی وجدان (Cosmic Intuition) کا تصور مادیت کی تردید میں اس طرح پیش
کرتے ہیں[۴۹] کہ سائنس کے مخصوص نظریات ہی کے ذریعہ سائنس کے بعض دعاوی (یہاں مادیت) کی
تردید ہو جاتی ہے،

۴- وائٹ ہیڈ کی طرح اقبال بھی کائنات کو ایک واحد اعضائی تنظیم (Organism) تصور
کرتے ہیں، اُن کے فلسفہ کی تکمیل میں اس قسم کا کائناتی تصور کس قدر اہم ہے، اس کی تفصیل انشاء اللہ
مقالہ میں جو رومی اور اقبال پر ہوگا، پیش کی جائے گی[۵۰]،

---

[۴۹] ان سائنسدانوں کے نظریات اور اقبال کے خیالات سے انکا موازنہ ہم کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ کے پیش
کریں گے، یہ فہرست بہت لمبی ہے، اس میں مذکورہ بالا اصحاب کے علاوہ نیوٹن (Newton) بیکن
(Bacon) ہالڈین (Haldane) رسل (Russel) براڈ (Broad)
اے ڈنگ ٹن (Eddington) لینج (Lange) فرائیڈ (Freud) الیگزینڈر (Alex-
ander) ولڈن کار (Wildon carr) اور پروفیسر ہکسلے (Huxley) وغیرہ بھی شامل ہیں،

[۵۰] یہ اس سلسلہ کا آخری مضمون ہوگا اور ہمارے اس دعویٰ کو پایۂ ثبوت تک پہنچائے گا کہ اقبال کے مخصوص فلسفہ
کی تعمیر میں رومی کے اثرات کو سب سے پہلے رکھنے کے بجائے سب سے آخر میں رکھنا نہایت ضروری ہے، (اقبال
برگساں، معارف بابت مئی [illegible]) بعض اصحاب نے اس بنیاد پر کہ اقبال نے اپنی ابتدائی تصانیف ہی میں رومی کا ذکر کیا
ہے یہ خیال کیا کہ شاید انھوں نے رومی سے متاثر ہو کر ہی آغاز فکر کیا ہو، ہم اس خیال کے مؤید نہیں ہیں، ہمارا خیال یہ ہے کہ
اقبال کا نظام فکر رومی کے مطالعہ سے بہت پہلے وجدان کے ذریعہ کسی قدر ناہمواری کیساتھ ترتیب پا چکا تھا، رومی کے
مطالعہ سے ان پر ایک ایسی راہ کھل گئی کہ انھوں نے رومی کے اثرات کے تحت اپنے فلسفہ کی تکمیل کرکے اس کو ہموار اور منظم بنا لیا،

وائٹ ہیڈ کے ان نظریات کے ذکر کر دینے کے بعد جن میں اقبال اس کے ہم خیال ہیں، ہم وائٹ ہیڈ
کے ان خیالات کو پیش کرتے ہیں جن سے بعض اہم وجوہ کی بنا پر اقبال کے اتفاق رائے کرنے سے گریز کیا ہے
اس سلسلہ میں ہم بعض نظریات کا ذکر اس لئے مجملاً کریں گے کہ اس کی تفصیل آئندہ مقالہ میں پیش
کی جائے گی،

۱- اقبال اگرچہ وائٹ ہیڈ کے اس خیال سے متفق ہیں کہ کائنات تسلسل واقعات کے مترادف ہے[۵۱]
لیکن اس تسلسل واقعات کے نظریہ میں وائٹ ہیڈ کے یہاں انفرادی خصوصیت، ذاتی اہمیت اور وجود
ذاتی یعنی "خودی" کی کوئی گنجایش نہیں ہے، اس کے نزدیک کوئی واقعہ (یعنی فرد یا شے) اگر اپنے ماقبل
اور مابعد واقعات سے غیر متعلق تصور کیا جائے تو بے رنگ اور بے حقیقت نظر آنے لگتا ہے، اقبال وائٹ ہیڈ
کے برعکس تغیراتی تسلسل کے ساتھ ساتھ ذوقِ انفرادیت اور نزد خودی کے بھی پر زور حامی ہیں،

۲- وائٹ ہیڈ کا تسلسل تغیرات کا نظریہ بے حد غیر محسوس تنوع اور خیالی ہے، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے[۵۲]
تو وائٹ ہیڈ افراد کے وجود ہی کا منکر معلوم ہوتا ہے، اس کے نزدیک افراد کے مقابلہ میں تغیرات کا سلسلہ ہی
اصل وجود کا مصداق ہے، اور خود افراد کا وجود اس سلسلۂ تغیرات کی برتری کی بنا پر ایک چلتی پھرتی چھاؤں
کی طرح معلوم ہوتا ہے، وائٹ ہیڈ افراد کی خودی، اُن کی شخصیت اور ان کے ذوق و شوق اور سوز و ساز
حیات کی اہمیت کو باور کرنے کے لئے تیار نہیں معلوم ہوتا، اس کے خیال میں تمام افراد و اشخاص (جو بقول
اقبال کے خودی کے مظاہر ہیں) تسلسل واقعات سے متعلق ہونے کی بنا پر گو ایک نظر فریب نمایش کی طرح
ضرور ہیں، لیکن بذاتِ خود وہ کسی انفرادی وجود یا ذاتی اہمیت کے حامل نہیں ہیں[۵۳]،

اقبال وائٹ ہیڈ کے خیالات کے مذکورہ بالا نتائج سے کسی طرح متفق نہیں ہیں، اُن کے نزدیک

---

[۵۱] لکچرز صفحات ۳۱، ۳۶، ۳۷، ۴۳، وغیرہ [۵۲] وائٹ ہیڈ نے کہیں اس طرح نہیں کہا ہے، ہم بطور نتیجہ کے اخذ کر رہے
ہیں اور ہمارے خیال میں یہ لازمی نتیجہ ہے،

وجدان ذات کے ذریعہ بآسانی محسوس کیا جاسکتا ہو کہ ہر ایک شخص ہی نہین بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ شوق وجود اور ذوق خودی سے سرشار ہو، اُن کے خیال کی رو سے وائٹ ہیڈ کو برگسان کے بتائے ہوئے سلسلۂ تغیرات اور تسلسل تغیر حالات وکیفیات کا وجدان اگرچہ ضرور معلوم ہوتا ہے، لیکن شاید اُس سلسلۂ تغیرات کی تہ تک اس کی رسائی نہو سکی جہان پہونچکر بقول اقبال کے عرفانِ خودی میسر ہو سکتا، ان کے نزدیک جس طرح برگسان سرمایۂ خودی تک پہونچنے سے محروم رہا ہو[51]، اسی طرح وائٹ ہیڈ بھی اس مقام "انا" کے بیرونِ درہی طواف سے مشرف اور فیضیاب ہو سکا ہو، یہی وجہ ہو کہ وہ سلسلۂ تغیرات ہی کو اصل حقیقت تصور کر بیٹھا، اور یہ جاننے کے لئے کہ آخر یہ تسلسل تغیرات فی نفسہٖ حقیقی ہو یا کسی اور حقیقت سے مشتق ہے، ایک قدم اور آگے جانے کی ضرورت تھی، مگر وائٹ ہیڈ بعض مصالح کے تحت جو اپنی جگہ واضح ہین، آگے بڑھنے اور اس آخری حجاب کو اٹھانے کی ہمت نہ کر سکا،

۳- وائٹ ہیڈ نے باری تعالیٰ کے وجود کو حد اقصیٰ کے مترادف تصور کیا ہے، اس کے اُس بیان مین کچھ اصلیت ضرور ہو، اور اقبال اس کے معترف ہین[52]،

لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا جیسا کہ وائٹ ہیڈ نے کیا ہو کہ باری تعالیٰ کا وجود ایک پریشان کن سمجھ مین آنے والا اور ایسا لازمی مفروضہ ہو جو انسانی عقل و فکر کیلئے پیہم دردسر کا باعث ہو، یکسر غلط ہو، باری تعالیٰ کا وجود ایک لاینحل مفروضہ نہین، بلکہ ایک لازمی حقیقت ہو جس کا اقرار بعض تجربات کے تحت لازمی ہو، اس مسئلہ مین وائٹ ہیڈ کی غلط بینی کی سب سے بڑی وجہ وہی ہو، جو ابھی ہم اوپر بیان کر آئے ہین، یعنی وہ سلسلۂ تغیرات کے ماوراء اس حقیقت کا ادراک نہین کر سکا جسے تمام تسلسل تغیرات کا مرجع اور منبع کہنا ضروری ہو، اس مقام پر اقبال رومی کے ذوقِ نظر سے فیضیاب ہو کر وائٹ ہیڈ سے دامن کش ہوجاتے ہین، اقبال اور رومی کا موازنہ ان شاء اللہ العزیز اگلے مقالہ کا موضوع ہوگا،

---

[51] ہم اس خیال کو اقبال اور برگسان کے موازنہ مین واضح کر آئے ہین، دیکھئے معارف بابت مئی سنہ ۵۱ء

[52] لکچرز ص ۷۵،

بابُ التقریظ والانتقاد

نوائے بیدل

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی

نوائے بیدل[1] جناب عبد المنان صاحب بیدل عظیم آبادی سابق پروفیسر اردو و فارسی پٹنہ کالج پٹنہ کے مجموعۂ کلام کا نام ہے جو جناب سید حسن صاحب پروفیسر شعبۂ فارسی پٹنہ کالج کے ایک مختصر سے پیش لفظ اور جناب اختر صاحب اورینوی پروفیسر شعبۂ اردو پٹنہ کالج کے مفصل تبصرہ کے ساتھ اقبال بک ڈپو پٹنہ کی طرف سے شائع ہوا ہے،

پروفیسر عبد المنان صاحب کی طویل ادبی خدمات اور ادیبانہ وشاعرانہ شخصیت کے ارتقار کا اندازہ تو اسی پیش لفظ اور تبصرہ سے ہو سکتا ہے، لیکن جہان تک اس مجموعۂ کلام کا تعلق ہو اجمالاً صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ وہ اُس دبستانِ شاعری کے ایک ممتاز شاعر ہین، جو جوشش، راسخ، امداد امام اثر، علی محمد شاد اور فضل حق آزاد کی زمزمہ سنجیون سے عظیم آباد مین قائم ہوا، اور اس وقت تک پروفیسر عبد المنان بیدل کی ذات سے قائم ہے، اس لئے ہم نے اس مجموعۂ کلام کو نہایت شوق سے پڑھا، اور پروفیسر سید حسن کے پیش لفظ، اور پروفیسر اختر اورینوی کے تبصرہ پر بھی اس حیثیت سے نظر ڈالی کہ ان مین تنقید کا کوئی اور پہلو باقی رہ گیا ہو یا نہین، اور ان کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ پروفیسر اختر نے دورِ جدید کے نقادون کی طرح معنی سے کم اور الفاظ سے زیادہ کام لیا ہے، البتہ پروفیسر سید حسن نے اختصار و متانت کے ساتھ اُن کے کلام کی جو اجمالی خصوصیت بتائی ہے اُس کا

---

[1] نوائے بیدل از جناب عبد المنان بیدل عظیم آبادی تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت عمدہ قیمت للعہ پتہ اقبال بکڈپو ڈاکخانہ مہندرو پٹنہ نمبر ۶

خلاصہ یہ ہے کہ بیدل کا کلام اگرچہ شاعری کے قدیم اور جدید رنگ کے امتزاج کا خوشگوار مجموعہ ہے لیکن انھون نے دورِ جدید کا اثر بہت کم قبول کیا ہے، اور زیادہ تر دورِ قدیم کی پیروی کی ہے، اور ہم اسی اجمال کی تفصیل کرنا چاہتے ہین، قدیم دور کے تتبع کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ دورِ جدید کے شعراء کی طرح مہمل، بے معنی، بے ربط، اور خارج از دائرہ غزل بلکہ از دائرہ شاعری غزلین نہین لکھتے، بلکہ جو کچھ کہتے ہین وہ بامعنی مربوط اور دائرہ غزل کے اندر ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ دورِ قدیم کے بعض معائب بھی اُن کے کلام مین موجود ہین، اگرچہ بیدل کے زمانے مین دورِ قدیم کے بہت سے معائب کا خاتمہ ہو چکا تھا، اس لئے اُن کے کلام مین وہ ابتذال، خارجیت اور لفظی رعایت تو نہین پائی جاتی، جو قدیم دور کے شعراء لکھنؤ مین عام طور پر پائی جاتی ہے تاہم ان کے کلام مین لکھنوی شاعری کا ایک مخفی عیب جو بعض اوقات ہنر بھی بن جاتا ہے موجود ہے مثلاً

نم دیدہ ہو رہے ہین وہ جوشِ عتاب سے — تیغِ نگاہ تیز مین کیا خوب آب ہے

ساقی کی چشم مست ہے مینا مین منعکس — یا کاسۂ شراب مین جام شراب ہے

دلِ سوزان مین میرے ہے خیال اک حورِ طلعت کا — تماشا ہے تماشا جلوہ گر دوزخ مین جنت ہے

یارا نا را بحرِ ناپیدا کنارِ عشق سے — صدقے جاؤن کیون نہ تیری تیغِ لنگر دار کے

تھا آہ نیم کش کا مری بس یہی اثر — آئے مگر پلٹ گئے وہ نصف راہ سے

باغِ رخسار مین غنچہ سا دہن کس کا ہے — ایک ہی جس مین کلی ہو وہ چمن کس کا ہے

پس مردن وہ کسے دیکھ رہے ہین جھک کر — سایۂ زلف رسا آج کفن کس کا ہے

منہ چھپا کر بڑھے شوق نظر بازون کا — کہو ہر وقت کھلا رکھتا ہے قرآن کوئی

اگرچہ ان اشعار میں قدیم طرزِ لکھنؤ کی خارجیت موجود نہیں تاہم اسکی ایک مخفی خصوصیت جس پر دورِ جدید کے نقادون کی نگاہ بھی نہین پڑی ہے، موجود ہے، لکھنؤ کے قدیم دور کی ایک شاعرانہ خصوصیت منطق نما شاعرانہ استدلال ہے جس کو داخلی یا خارجی یا مثالیہ شاعری سے کوئی تعلق نہین ہے بلکہ وہ ایک خوشنما

منطق ہے، جس کے ذریعہ سے ایک دعویٰ کو بآسانی ثابت کیا جاسکتا ہے مثلاً انہی اشعار مین ایک شعر کے پہلے مصرع مین یہ دعویٰ کیا گیا ہے:

یارا و تارا بحرِ ناپیدا کنارِ عشق سے

اور اس کو دوسرے مصرع مین محض ایک لفظ سے ثابت کیا گیا ہے:

صدقے جاؤن کیون نہ تیری تیغ لنگر دار کے

اگر صرف تیغ کا لفظ لایا جاتا، تو یہ دعویٰ بلا دلیل رہ جاتا، لیکن لنگر دار کی صفت بڑھا دینے سے یہ دعویٰ مدلل ہو گیا، کیونکہ کشتیان صرف لنگر ہی کے بل پر چلتی ہین،

ایک مصرع مین یہ دعویٰ کیا گیا ہے ع تیغ نگاہ تیز مین کیا خوب آب ہے،

اور اس کو شعر کے پہلے مصرع سے اس طرح ثابت کیا گیا ہے ع نم دیدہ ہو رہے ہین وہ جوشِ عتاب سے،

کیونکہ نم دیدہ ہونے سے تیغ نگاہ مین آب آگئی، اس لئے یہ دعویٰ ثابت ہو گیا، اگرچہ بعض موقعون پر اس منطقیانہ طرزِ استدلال سے شعر مین لطافت بھی پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً

ساقی شراب اپنے لبون سے لگا کے لا — ہلکی ہے کچھ دوآتشہ اس کو بنا کے لا

کیونکہ شعراء معشوق کے لب کو شراب سے تشبیہ دیتے ہین، اس لئے جب ساقی اس کو اپنے لبون سے لگا کے لائیگا، تو وہ قدرتی طور پر دوآتشہ ہو جائیگی، لیکن اکثر اس قسم کے اشعار کوہ کندن اور کاہ برآوردن سے زیادہ وقعت نہین رکھتے، مثلاً

ساقی کی چشم مست ہے مینا مین منعکس — یا کاسۂ شراب مین جام شراب ہے

شعراء آنکھ کو پیالے سے تشبیہ دیتے ہین، اس لئے اسکا عکس بھی پیالے کے مشابہ ہوگا اسلئے جب ساقی کی چشم مست کا عکس مینا مین پڑے گا، تو اس سے یہ دعویٰ ثابت ہو جائے گا کہ کاسۂ شراب مین جام شراب ہے، لیکن اس سے نتیجہ کیا نکلے گا؟ اگر ایک پیالے مین دوسرا پیالہ رکھ دیا جائے تو اس مین اعلیٰ

یا خارجی شاعری کا کونسا حسن پیدا ہو جائے گا ؟ تاہم اس قسم کا منطقیانہ استدلال صرف وہی شاعر کر سکتا ہے جو مضمون آفرین ہو، اور شیخ ناسخ کی اکثر مضمون آفرینیان اسی قسم کی ہین، اور اس قسم کی مضمون آفرینی بیدل کے ان تمام اشعار مین پائی جاتی ہے، جو ہم نے نقل کئے ہین، تاہم دورِ قدیم کی لکھنوی شاعری کے اور معائب اُن مین بہت کم ہین، اسی طرح اُن کی شاعری کا دوسرا اسرا جو دورِ جدید سے ملا ہوا ہے اس نے بھی ان مین زیادہ بے راہ روی نہین پیدا کی ہی، صرف چند نئی ترکیبون مین اس دور کا اثر نظر آتا ہے،

بے حس مجھے تغافلِ سنگین نے کر دیا
یکسان ہے اب وہ ظلم کرین یا وفا کرین

تغافلِ سنگین، نہایت سنگین ترکیب ہے، جو اردو اور فارسی مین مستعمل نہین، لیکن اس جدید ترکیب سے انھون نے دورِ قدیم و جدید دونون کا حق ادا کر دیا ہی، کیونکہ پتھر مین جونک نہین لگتی، اس لئے معشوق کے تغافلِ سنگین کے اثر سے وہ بے حس ہو گئے ہین، یہ لکھنو کی منطقیانہ شاعری ہے، جس کا حق انھون نے دورِ جدید کی ایک نوزائیدہ ترکیب سے ادا کیا ہی،

یہ کشش کس کی ہے کس کا لطف ہے کس کا کرم
آج محفل مین کسی کی بیدلِ خوشخوان بھی ہے

خوش گو، خوش خرام، خوش پوشاک، خوش خوراک یہ تمام ترکیبین تو اردو اور فارسی مین مستعمل ہین لیکن خوشخوان کوئی ترکیب نہین،

کچھ خبر ہے دلِ غافل کہ فقط ساعتِ چند
موسمِ حسنِ گلِ غنچہ دہان رہتا ہے

"گلِ غنچہ دہان ایک عجیب ترکیب ہی، کلی کا مونھ جب تک بند رہتا ہی وہ کلی رہتی ہی اور جب منھ کھل جاتا ہی تو وہ پھول ہو جاتی ہی، کلی نہین رہتی، اس لئے کسی پھول کو غنچہ دہان کہنا غلط ہے"

جو دکھا دے جلوہ روے شاہدِ مقصود کا
صدقے ساقی اس شرابِ آئینہ کردار کے

آئینہ کردار ایک غلط ترکیب ہی، آئینہ صفت صحیح ہی، کردار کے معنی عمل کے ہین اور آئینہ کوئی عمل نہین کرتا، ان جدید ترکیبون کے علاوہ انھون نے اور بھی چند جدتین کی ہین، جو قابلِ اعتراض ہین، مثلاً

عشق مین اُس بت کے رہبان و شیوخ و برہمن
ہین یہ سب کے سب مقید رشتۂ زُنار کے

شعرائے واعظ، محتسب اور شیخ و برہمن سب پر دست تطاول دراز کیا ہے، لیکن انھون نے راہبون سے چھیڑ چھاڑ نہین کی ہے، اس کے ساتھ انھون نے شیوخ کا لفظ کہین استعمال نہین کیا ہے، یہ لفظ تو صرف فقہا و محدثین کے حالات مین ملتا ہی، جب اُن کے اساتذہ کی تعداد گنائی جاتی ہی، لیکن شعراء کو اشخاص کی کثرت و قلت سے بحث نہین ہوتی، وہ صرف شیخ و برہمن کی جنس کو لیتے ہین، جو کثرت و قلت سب کو شامل ہی، اس لئے شیخ کے لفظ کو عموماً مفرد ہی لاتے ہین، اس کے علاوہ شیخ زنار بھی نہین باندھتا،

چشمِ جانان جان لیوا بھی ہی اور جان بخش بھی
موت کا باعث بھی ہی اور چشمۂ حیوان بھی ہی

معشوق کے لب و دہن کو تو چشمۂ حیوان کہتے ہین، لیکن کسی شاعر نے آنکھ کو چشمۂ حیوان نہین کہا ہی، تنقید کی حیثیت سے دورِ قدیم و جدید کے یہی دو معائب اُن کے کلام مین نظر آئے، ورنہ اُن کا تمام کلام مربوط، یکرنگ، اور بامعنی ہوتا ہے اور ہر شعر غزل کے دائرہ مین محدود رہتا ہے، اور اس کے ساتھ بہت سے اشعار نہایت برجستہ، رواں اور قابلِ انتخاب ہوتے ہین، مثلاً

سارا عالم ترے جلوے کا خریدار بنا
ہائے اس حسنِ گرانمایہ کا ارزان ہونا

یہ چشمِ نیم باز اے ساقی ہوش قیامت ہے
کسی میخوار کو دینا تو آدھا جام کیا دینا

چلو مین انڈھال کے ساغر سے لا شراب
مقدار مین گھٹا کے اثر مین بڑھا کے لا

سجدۂ نقشِ پا روا لیکن
اُس کو پامال سر کرین کیونکر

انھی کے واسطے کونین کی ہر اک شے ہی
جو ہاتھ دونون جہان سے اٹھائے بیٹھے ہین

فغان سے جذبِ دل سے چشمِ تر سے کھیل لینے دو
ہین ہر ایک سعیِ بے اثر سے کھیل لینے دو

قفس ٹوٹے نہ ٹوٹے لذتِ کوشش تو ملتی ہی
ٹپک لینے دو سر کو بال و پر سے کھیل لینے دو

لے ہی لی عالمِ اسباب سے بے سامانی
عافیت کیلئے کرنا ہی تھا سامان کوئی

کیا تم کو طائران فلک آشنا خبر — اس لطف کی جو کوتہِ بال و پر مین ہو

عشق ہے بیدل دلِ باختہ کا خام ابھی — نہ وہ مشہور ابھی ہے نہ وہ بدنام ابھی

خود کو بھی کھو کے چلے آئے تری بزم سے ہم — اور احباب سمجھتے ہین کہ ہم مل آئے

نظر آیا دلِ برباد مین ارمان تیرا — کیا خزانہ مجھے ہاتھ آیا ہے ویرانے سے

خبر نہین مرا تنکون کو ایک جا کرنا — ہے بجلیون کے لئے یا کہ آشیان کے لئے

جو خود کو جانتا نہین پہچانتا نہین — پہچان نے یہ تیرے شناسا کی شکل ہو

مستی بھری ہے سر مین شرابِ طہور کی — دستارِ شیخ پنبہ مینا کی شکل ہو

کہنے لگا وہ دیکھ کے خاموشیان مری — یہ بہترین عرض تمنا کی شکل ہو

گھبرا رہا ہے موت سے کیون مبتدی عشق — یہ تو نصابِ عشق کی پہلی کتاب ہو

اس طرح اسکی بزم سے دل لے چلا ہون مین — جس طرح کوئی جائے جنازہ لئے ہوئے

وہ بھی اک روز ہے وعدہ شکنی کا بیدل — ہم کو معلوم ہے فردائے قیامت کیا ہو

اس قسم کے اور بھی بہت سے عمدہ اشعار اُن کے کلام مین ملتے ہین، اور جو اشعار معمولی درجہ کے ہین، ان کے پڑھنے سے بھی کوئی ناگواری نہین پیدا ہوتی، اور یہی حال ہر اچھے شاعر کا ہے،

اسوۂ صحابہ جلد اوّل

حضرات صحابہؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر اور قرونِ اولیٰ کے اسلام کا عملی خاکہ، قیمت:- للعہ

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

تاج محل مرتبہ جناب محمود بنگلوری تقطیع اوسط ضخامت ۲۲۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد للعہ، پتہ:- چوک انارکلی لاہور۔

تاج محل کی عمارت ایسی نادرۂ روزگار ہے کہ ہر قوم اس کے انجینیرون اور معمارون کو اپنی طرف منسوب کرنے کی کوشش کرتی ہے، اور چونکہ تیموری دور کی مستند تاریخون مین جن مین تاج محل کی تعمیر کا ذکر ہے، اس کے معمارون کا نام نہین ہے، اس لئے اُن کے متعلق مختلف قسم کی قیاس آرائی کا موقع مل جاتا ہے، چنانچہ بعض یورپین مصنفین اُن کو اطالوی اور بعض فرانسیسی بتاتے ہین، اس طرح صدیون سے تاج کے معمارون کے نام پردۂ خفا مین تھے کئی سال ہوئے مشہور صاحب قلم جناب محمود بنگلوری نے حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کے پاس تیموری عہد کے ایک شاعر مہندس کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ اُس کے مصنف کی تحقیقات کے لئے بھیجا، اُس مین ایک مثنوی بھی تھی، جس مین مہندس نے اپنے خاندان کے حالات اور اُس کے کارنامون کا ذکر کیا تھا، اس سے پتہ چلا کہ مہندس کا نام لطف اللہ ہے، اور پیشہ کی مناسبت سے مہندس انجینیر تخلص ہو، اور اُس کے باپ اُستاد احمد اور چچا استاد حامد نے تاج کا نقشہ بنایا تھا، اور انہی کی نگرانی مین اس کی تعمیر ہوئی تھی، اتنا سراغ لگنے کے بعد موصوف نے تاریخون اور تیموری دور کی عمارتون کے کتبات کی روشنی مین مزید تحقیقات کی تو اُن مین استاد احمد، اور استاد حامد کے نام ملے، اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ دلی کی جامع مسجد اور لال قلعہ اور کشمیر کا شالامار باغ انہی دونون ماہرین فن کی یادگار ہین، اس سلسلہ مین اس نامور خاندان کے اور بہت سے حالات معلوم ہوئے، اور اُن کے بہت سے علمی اور تعمیری کارنامون کا پتہ چلا،

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ استاد احمد کے لڑکے لطف اللہ مہندس، نور اللہ اور عطاء اللہ نہ صرف عہد شاہجہانی کے ماہرِ فن انجینیر تھے، بلکہ علم ریاضی اور ہیئت کے بڑے عالم تھے، اور اس خاندان کی بہت سی علمی اور تعمیری یادگاریں اب تک موجود ہیں، ان تحقیقاتوں کو موصوف نے ایک مقالہ کی شکل میں ادارۂ معارفِ اسلامیہ لاہور کے ایک اجلاس میں پیش کیا، جو اس کی روداد کے ساتھ شائع ہو چکا ہے، اور معارف میں بھی چھپ چکا ہے، اس سلسلہ میں اور جو نئے معلومات وقتاً فوقتاً حاصل ہوتے رہے، وہ بھی معارف میں نکلتے رہے، اب جناب محمود بنگلوری نے اس مقالہ اور دیوان مہندس کو اپنے مبسوط مقدمہ کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے، مقدمہ میں ہندوستان کے مسلمان سلاطین کے تعمیری کارناموں اور اُن کی عمارتوں پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے، کتاب کے آخر میں تاج محل کی عمارت کے متعلق جناب سیماب اکبرآبادی مرحوم کا ایک مضمون بھی شامل کر دیا ہے، اس طرح یہ کتاب تاج کی تعمیر کی تاریخ اور اسکی عمارت کے متعلق معلومات کا بہت مفید مجموعہ بن گئی ہے، تاج کے متعدد فوٹو بھی کتاب میں ہیں،

عورت اور اسلام مؤلفہ جناب مالک رام صاحب ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۱۹۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ے، پتہ نگار ریک ایجنسی لکھنؤ،

دنیا میں اسلام سے پہلے کسی مذہب کسی قانون اور کسی قوم نے طبقۂ نسوان کے ساتھ انصاف نہیں برتا، اور ہمیشہ ان کی حیثیت مردوں کی ملک اور اُن کی کنیز کی رہی، سب سے پہلے اسلام نے عورتوں کو حقوق عطا کر کے سوسائٹی میں ان کا درجہ بلند کیا، اور مردوں کے بعض ان امتیازی حقوق کو چھوڑ کر جو اُن کو اُن کی عقلی وجسمانی برتری اور اہم ذمہ داریوں کی بنا پر حاصل ہیں، عام معاشرتی حقوق میں دونوں کا درجہ تقریباً برابر رکھا، لائق مصنف نے جو اپنی سنجیدہ تصانیف کے ذریعہ علمی حلقہ میں پوری طرح روشناس ہیں، اس کتاب میں پوری بسط وشرح کے ساتھ قرآن مجید اور احادیث نبوی

سے عورتوں کے حقوق وفرائض کی تفصیل بیان کی ہے، پہلے زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کی حیثیت دکھائی ہے، اس کے بعد مختلف ابواب میں عورتوں کی مختلف حیثیتوں، اور اُن کی زندگی کے مختلف دوروں یعنی بیٹی، بیوی، ماں، مطلقہ، اور بیوگی کی حالتوں کے جملہ حقوق وفرائض اور ذمہ داریوں کے متعلق اسلامی احکام تحریر کئے گئے ہیں، اور اس سلسلہ میں نکاح کا مقصد، تعدد ازدواج نکاح، طلاق، خلع، ایلا، ظہار لعان، فتر عدت، نان ونفقہ، خانہ داری کی ذمہ داریوں، اولاد کی پرورش، رضاعت، پردہ، عفاف وپاکدامنی بدچلنی، وراثت وصیت وغیرہ عورتوں اور مردوں کی ازدواجی زندگی میں جس قدر حالات ومعاملات پیش آتے ہیں، ان سب کے تفصیلی احکام وقوانین بیان کئے ہیں، اور اُن کی تشریح کی ہے، ہر بحث بہت سے جزئیات پر مشتمل ہے، اس لحاظ سے اردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے، جس میں عورتوں کے متعلق اس تفصیل کے ساتھ اسلامی قوانین وتعلیمات پر روشنی ڈالی گئی ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ ایسے اہم مسائل میں جن میں بہت سے فقہی احکام بھی آگئے ہوں، مصنف کا نقطۂ نظر اور اُن کی تشریحات کا تمام تر صحیح ہونا ضروری نہیں ہے، اور اس میں اختلاف کی گنجایش نکل سکتی ہے، لیکن مجموعی حیثیت سے مصنف نے صحیح اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس موضوع پر اس سے زیادہ جامع کتاب مشکل ہی سے لکھی جا سکتی ہے، مصنف کا حُسنِ بیان اور طرزِ تحریر کی دلکشی مستزاد ہے، اس سے اسلامی لٹریچر میں ایک گرانقدر اضافہ ہوا،

لسان العصر، مرتبہ جناب اختر انصاری اکبرآبادی تقطیع بڑی ضخامت ۱۹۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ے، پتہ: - بزم اکبر، کراچی

یہ ایک ادبی گلدستۂ عقیدت ہے، جو اردو کے شاعروں نے حکیم الشعرا حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کی بارگاہ میں پیش کیا ہے، جس میں تقریباً سو شعراء نے اکبر مرحوم کی شخصیت، اُن کی شاعری کی خصوصیات اور اُن کے اصلاحی کارناموں پر نظم میں اپنے جذبات وتاثرات ظاہر کئے ہیں، کتاب کے شروع میں متعدد

اصحاب کے قلم سے مقدمے، دیباچے اور پیش لفظ وغیرہ ہین، مگر اتنے شاعرون کے کلام کی سطح کا یکسان ہونا دشوار ہے، اس لئے ان نظمون مین ناہمواری بہت ہے، مگر بیشتر نظمین اچھی ہین اور اس اظہار عقیدت مین ایک خاص جدت ہے،

حیات جمال الدین افغانی — از جناب رضا ہمدانی تقطیع اوسط ضخامت ۱۱۹ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت:- عہ/ پتہ:- چوک انار کلی گوشہ ادب لاہور،

سید جمال الدین افغانی کے متعلق اردو مین کافی لٹریچر موجود ہے، اور بعض اچھی کتابین بھی لکھی جا چکی ہین، مصنف نے بھی اُن کے حالات مین یہ مختصر کتاب تحریر کی ہے، مگر اس مین سید صاحب مغفور کے وطن کی تحقیقات کے علاوہ کوئی نیا اضافہ نہین ہے، مصنف نے صرف اہم اُور طویل واقعات کا خلاصہ کر دیا ہے،

رسالہ حاصور و باسور، از جناب حکیم محمد کبیر الدین صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۳۶ صفحات کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت:- عہ/ دفتر المسیح بازار نور الامرا حیدر آباد دکن،

مؤلف رسالہ نامور اور حاذق طبیب ہین، اس رسالہ مین انھون نے قبض و بواسیر کے اسباب و علامات، اُن کے اقسام اور اُن سے پیدا شدہ امراض و عوارض کے علاج، تدبیرون، دواؤن اور پرہیز کی پوری تفصیل تحریر کی ہے، جو اس مرض مین مبتلا مریضون اور اطبا کے مطالعہ کے لائق ہے،

"م"